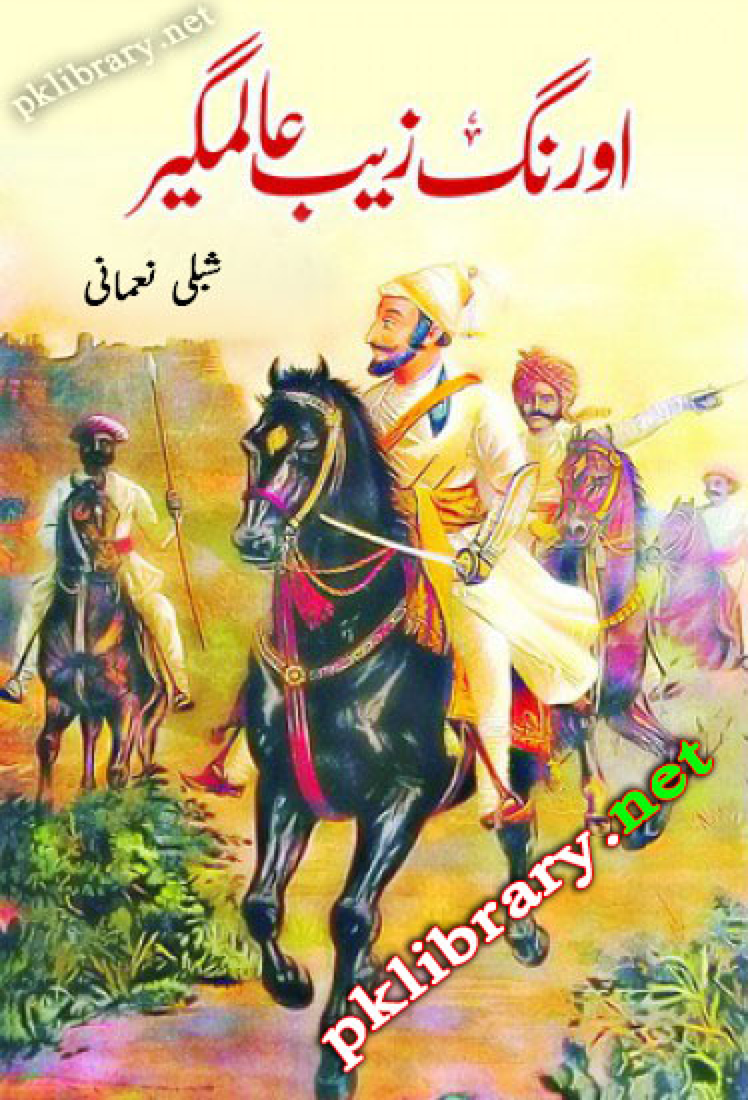
AURANGZEB ALAMGIR

اورنگ زیب عالمگیرؒ

شبلی نعمانی



فہرست مضامین

اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع جدید

الحمدللہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الکریم محمد ٍالامین
وعلی آلہٗ واصحابہٖ اجمعین

علامہ شبلیؒ نے الندوہ اور دوسرے رسالوں میں متعدد بلند پایہ اور محققانہ مضامین لکھے تھے، ان میں الجزیہ، کتب خانہ اسکندریہ اور پیش نظر مضمون "اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر" نہایت معرکۃ الآرا اور تلاش و تحقیق، دقیقہ بینی و نکتہ رسی اور مورخانہ ژرف نگاہی کا خاص نمونہ ہیں، اس لیے علامہ کی زندگی میں ان کو علاحدہ کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔

جب دارالمصنّفین نے علامہ شبلیؒ کے مقالات و مضامین کو اکٹھا کر کے آٹھ حصوں میں شائع کیا تو زیر نظر مضمون اس میں شامل نہیں ہوسکا اور اپنی اہمیت کی بنا پر علاحدہ کتابی صورت ہی میں چھپتا رہا۔

شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالم گیر کو متہم و مطعون کرنے کے لیے تنگ نظر اور متعصب مؤرخین نے کذب و افترا کا جو طومار باندھا تھا اور اصل واقعات میں رنگ آمیزی اور ان کی

غلط تعبیر و تاویل کر کے اورنگ زیب کو جن جرائم کا مرتکب قرار دیا تھا، علامہ کے پرزور قلم نے اس رسالہ میں ہر ایک کی تحلیل وتنقید کر کے دروغ بیانیوں اور افترا پردازیوں کا پردہ چاک کر دیا ہے۔

یہ مضمون الندوہ میں قسط وار چھپا تو علمی حلقوں میں اس کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی، قدر دانوں کا اشتیاق دیکھ کر اسے علاحدہ کتابی صورت میں شائع کیا گیا اور اس کے کئی ایڈیشن نکلے مگر مدت دراز سے یہ نایاب ہو گیا تھا، نئے ایڈیشن کے لیے اہل علم و محققین کی جانب سے برابر تقاضا ہو رہا تھا، ان کے اصرار اور مقالے کی اہمیت کی بنا پر جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن مرحوم سابق ناظم دار المصنفین نے اس کا انگریزی ترجمہ شائع کرایا، جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔

کئی برس ہوئے ندوۃ العلما، لکھنؤ کے کتب خانہ میں کسی کتاب کو تلاش کر رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی ''اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر کو شائع کیجیے، اس کی بڑی مانگ ہے اور یہ وقت کا تقاضا بھی ہے'' یہ آواز خلد آشیاں مولانا محمد مرتضٰی صاحب مظاہری مرحوم سابق ناظر کتب خانہ ندوہ کی تھی، میں نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ دار المصنفین پہنچ کر اس کی طبع و اشاعت کا سامان کروں گا، مگر کتاب کی ورق گردانی سے اندازہ ہوا کہ تصحیح اور حوالوں کی تخریج کے بغیر اسے شائع کرنا زیادہ مفید نہ ہو گا۔

چوں کہ کتاب عرصہ سے ناپید تھی، اس لیے بعض کتب فروشوں نے اس کے بہت معمولی، سستے اور گھٹیا قسم کے نسخے شائع کیے، جنہیں دیکھ کر ہمیں تو شرمندگی ہو ہی رہی تھی، علامہ مرحوم کی روح کو بھی اس سے بڑی اذیت پہنچتی رہی ہو گی، اس لیے کتاب کے صحیح اور محقق ایڈیشن کے لیے میری فکر و تشویش اور بڑھ گئی، اتفاقاً ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی سے اس کا ذکر آیا تو محسوس ہوا کہ وہ اس کی تحقیق و مراجعت کے لیے پہلے ہی سے آمادہ تھے، ان کو علامہ شبلی اور دار المصنفین سے قلبی تعلق ہے، وہ بچپن سے کتب خانہ دار المصنفین سے استفادہ

کرتے رہے ہیں، ابھی حال ہی میں علامہ شبلیؒ پر ان سے والہانہ تعلق کی بنا پر پی، ایچ، ڈی کی ڈگری لی ہے، علامہ شبلیؒ، دارالمصنفین اور دوسرے موضوعات ان کے علمی مضامین ہندو پاک کے رسالوں میں چھپتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد الیاس نے سرکاری ملازمت کی مصروفیت کے باوجود اس کام کو بڑی محنت سے انجام دیا، جس سے اغلاط کی تصحیح ہوگئی اور اصل مراجع سے مراجعت کر کے انہوں نے حوالوں کی تخریج بھی کردی اور جہاں ضرورت محسوس کی فارسی عبارتوں کے ترجمے بھی کردیے۔

اس سعی و محنت کے بعد بھی بہ تقاضائے بشری اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں تو اہل نظر اپنے ذوق سے ان کی تصحیح کرلیں اور ہمیں بھی مطلع کردیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان کی تصحیح کردی جائے۔

کمپیوٹر کمپوزنگ جناب قمر عباسی نے کی ہے، ہم اس مفید اور ضروری علمی و تحقیقی کام میں معاونت کے لیے اپنے ان دونوں عزیزوں کے شکرگزار ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور اس رسالے کو مزید مقبول و نافع بنائے۔ (آمین)

ضیاالدین اصلاحی

۲۹/اگست ۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

فلسفۂ تاریخی کا یہ ایک راز ہے کہ جو واقعات جس قدر زیادہ شہرت پکڑ جاتے ہیں، اسی قدر ان کی صحت زیادہ مشتبہ ہوتی ہے، سدِ سکندر، دیوارِ قہقہہ، چاہِ بابل، آبِ حیواں، مارِ ضحاک، جامِ جم سے بڑھ کر کس واقعہ نے شہرتِ عام کی سند حاصل کی ہے لیکن کیا ان میں ایک بھی اصلیت سے کچھ علاقہ رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر واقعات کسی خاص وقتی سبب سے شہرت کی نظر پر آجاتے ہیں، پھر عام تقلید کے اثر سے، جو خاصۂ انسانی ہے، شہرتِ عام کی بنا پر لوگ اس پر یقین کرتے چلے جاتے ہیں اور کسی کو تنقید اور تحقیق کا خیال تک نہیں آتا، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ مسلمات عامہ میں داخل ہوجاتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا حکم کسی بدنیت عیسائی نے دل سے گڑھ کر منسوب کیا، زمانہ وہ تھا کہ صلیبی لڑائیاں جاری تھیں اور عیسائی، مسلمانوں سے نفرت دلانے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں اختیار کرتے تھے، اس واقعہ کا کانوں میں پڑنا تھا کہ گویا خدا کا خاص قاصد آکر ایک ایک کے کان میں وحی پھونک گیا، بچے، جوان، بوڑھے، جاہل، عالم، رذیل، شریف، نیک، بد جو تھا، یہی راگ گاتا تھا، رفتہ رفتہ

تقریر، تحریر، ضرب المثل، تلمیحات، افسانہ کوئی چیز اس سے خالی نہیں رہی لیکن بالآخر تحقیق کی عدالت نے فیصلہ کیا کہ ؏

عالم ہمہ افسانہ مادارد و ماہیچ

عالم گیر کی بدنامی کا قصہ بھی واقعۂ مذکورہ سے کچھ کم نہیں، اس کی فردِ قراردادِ جرم اتنی لمبی ہے کہ شاید کسی مجرم کی نہ ہوگی، باپ کو قید کیا، بھائیوں کو قتل کرایا، دکن کی اسلامی ریاستیں مٹا دیں، ہندوؤں کو ستایا، بت خانے ڈھائے، مرہٹوں کو چھیڑ کر تیموری سلطنت کے ارکان متزلزل کردیے ؏

اے تو مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم

لیکن اور تمام باتوں سے قطع نظر کرکے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ اسی خاندان میں عادل سے عادل بادشاہ پر قریب قریب، یہی فردِ قراردادِ جرم قائم ہوسکتی ہے یا نہیں، باپ سے بغاوت کی، بھائیوں اور بھتیجوں کو قتل کرایا[1]، دکن کی اسلامی ریاست (نظام شاہیہ) مٹا دی،

---

[1] شاہ جہاں کا بھائی شہریار اور اس کے بھتیجے طہمورث و ہوشنگ (پسران دانیال) خود شاہ جہاں کے حکم سے قتل کیے گئے، چنانچہ ان کے قتل کے لیے شاہ جہاں نے دستِ خاص سے جو فرمان لکھ کر بھیجا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

دریں ہنگام کہ آسمان آشوب طلب و زمین فتنہ جو است اگر داور بخش پسر خسرو و برادر او شہریار و پسران شاہ زادہ دانیال را آوارہ صحرائے عدم ساختہ دولت خواہاں را از توزع خاطر و شورش دل فارغ سازند بہ صلاح و صواب دید قرین تر خواہد بود۔ (خاتمہ تزک جہاں گیری، ص ۴۳۸ و ۴۳۹، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)

جب کہ زمین اور آسمان میں فتنہ اور فساد برپا ہے، اگر وہ داور بخش پسر خسرو کو اور اس کے بھائی شہریار اور دانیال کے بیٹوں کو قتل کرکے بہی خواہان سلطنت کو پریشانی اور دلی وسوسوں سے مطمئن کردے تو مناسب اور قرین مصلحت ہوگا۔

چنانچہ ۲۲/جمادی الاولیٰ ۱۰۳۷ھ کو اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور بقول مؤرخ جہاں گیری گلشن ہستی ان خس و خاشاک سے پاک کردیا گیا، لطف یہ کہ شہریار اور فرزندان دانیال کا اس کے سوا کچھ قصور نہ تھا کہ تیموری شہزادے ہیں، شاید آگے چل کر تاج و تخت کا دعویٰ کریں ورنہ ان بے چاروں نے کبھی کسی قسم کا کوئی مخالفانہ خیال بھی نہیں ظاہر کیا، نہ کبھی سلطنت کا خواب دیکھا۔

ایک سال کے اندر ۶۵ بت خانے منہدم کرادیے[1] اور ہمیشہ اس پر فخر کرتا رہا، یہ کون؟ صاحب قران ثانی شاہ جہاں، ہم اس اصول سے بے خبر نہیں کہ ایک شخص کے برے ثابت ہونے سے دوسرا شخص اچھا نہیں ہوسکتا، شاہ جہاں پر اگر الزام ثابت ہو تو اس سے عالم گیر کی برأت نہیں ہوسکتی لیکن آخر یہ مسئلہ غور کے قابل ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے شاہ جہاں کے الزامات کی کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں اور عالم گیر کے وہی الزامات ع افسانہ بزم وانجمن ہیں:

طالع شہرت رسوائی مجنوں بیش است

ورنہ طشت من واو ہر روز یک بام افتاد

اس عقدے کا حل کرنا اگرچہ ایک تاریخی فرض ہے لیکن اس سے ایک قومی تفریق کو تحریک ہوتی ہے، اس لیے ہم اس کو قلم انداز کرتے ہیں۔

---

[1] اس واقعہ کو عبدالحمید لاہوری نے، جو شاہ جہاں کے دربار کا مؤرخ تھا، بادشاہ نامہ میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے، شاہ جہاں نے عباس صفوی کو جو خط لکھا ہے، اس میں اس واقعہ کو بڑے فخر سے لکھا ہے، چنانچہ بادشاہ نامہ میں یہ خط بہ تمامہ منقول ہے۔

اورنگ زیب عالم گیر اور دکن

عالم گیر کی فردِ قراردادِ جرم میں سب سے نمایاں واقعہ حیدرآباد کا استیصال ہے، یہ واقعہ مختلف حیثیتوں سے اہمیت رکھتا ہے:

۱- ریاست حیدرآباد ایک شیعہ ریاست تھی، اس لیے اس کی بربادی کے قصد سے عالم گیر کا سخت مذہبی تعصب ثابت ہوتا ہے۔

۲- حیدرآباد کے مٹنے سے مرہٹوں کو قوت ہوگئی، اس لیے یہ پالیٹکل (Political) جرم بھی ہے، اس بنا پر ہم سب سے پہلے اس واقعہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

دکن میں پانچ ریاستیں قائم تھیں، گولکنڈہ، بیجاپور، خاندیس، برار، احمد نگر، یہ ریاستیں باہم لڑتی بھڑتی رہتی تھیں، جس کی وجہ سے یہ نوبت پہنچی تھی کہ جب علی عادل شاہ نے حسین نظام شاہ کی دست برد سے تنگ آکر رام راج کو مدد کے لیے بلایا تو گو شرط یہ تھی کہ ہندو، مسلمانوں کی جان و مال سے معترض نہ ہوں گے، تاہم ہندوؤں نے احمد نگر میں آکر جو برتاؤ کیا، اس کو ''فرشتہ'' ان الفاظ میں لکھتا ہے:

در مساجد فرود آمدہ بت پرستی می کردند و ساز نواختہ سرودمی گفتند وعدالت پناہ از استماع ایں اخبار دل گیرشدہ چوں منع راقدرت نہ داشت بہ تغافل می گذرانید۔[۱]

مسجدوں میں بت پوجتے اور گاتے بجاتے تھے، جس سے بادشاہ کو ناگواری ہوتی تھی لیکن چوں کہ بادشاہ کو روکنے کی طاقت نہ تھی اس لیے دانستہ تغافل برتتا تھا۔

---

۱ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۷، مطبع نول کشور، لکھنؤ۔

ان خانہ جنگیوں کی بدولت تیموریوں کو مداخلت کا موقع ملا اور سب سے پہلے اکبر نے بعض ریاستیں اپنے زیرِ اثر کیں، جہاں گیر اور شاہ جہاں چاہتے تھے کہ ان ریاستوں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے پر اکتفا کیا جائے لیکن یہ ابن الوقت مجبوری کے وقت مطیع ہو جاتے تھے اور پھر موقع پا کر دشمن بن جاتے تھے، مجبوراً ان کا استیصال کر کے یہ ریاستیں سلطنت تیموری میں شامل کر لی گئیں، عالم گیر جب تخت حکومت پر بیٹھا تو صرف دو سلطنتیں حیدر آباد اور بیجاپور باقی رہ گئی تھیں، اسی اثنا میں شیواجی کے باپ ساہو نے سر اٹھایا، ساہو اور شیواجی کی مفصل داستان اسی مضمون کے دوسرے حصہ میں آئے گی، یہاں سلسلۂ کلام کے لحاظ سے اس قدر یاد رکھنا چاہیے کہ عادل شاہ والیٔ بیجاپور نے پونہ اور سوپہ دو صوبے ساہو کو جاگیر میں دے دیے، شیواجی نے ان علاقوں میں بہت سے قلعے بنوائے، عادل شاہ بیمار ہو کر مر گیا، اس کے زمانۂ علالت میں شیواجی نے اپنے حدود اور زیادہ وسیع کر کے چالیس قلعے تیار کیے، عادل شاہ کا کوئی وارثِ شرعی نہ تھا، درباریوں نے سکندر نام ایک مجہول النسب لڑکے کو اس کا وارث قرار دے کر تخت سلطنت پر بٹھایا، وہ جب بالغ ہوا تو اس نے افضل خاں کو شیواجی کے مقابلہ کو بھیجا، جس کو شیواجی نے دھوکے سے قتل کر ڈالا، یہی سکندر تھا جو عالم گیر کا معاصر اور ہم زمان تھا۔

شیواجی نے چند روز کے بعد انتقال کیا اور اس کا بیٹا سنبھا اس کا جانشین ہوا، سکندر نے اپنی کم زوری یا تیموریہ کی قدیم خاندانی عداوت سے اس سے سازش کر لی، عالم گیر کے مقابلہ میں اس کو مدد دیتا رہا، عالم گیر نے بار بار اس پر متنبہ کیا اور ترغیب اور ترہیب ہر طرح کی تدبیریں اختیار کیں لیکن سکندر کو کچھ احساس نہ ہوا، خافی خان اس واقعہ کے متعلق لکھتا ہے:

چوں از فساد و نفاق بیجاپوری یعنی سکندر والی آنجا	جب بیجاپور کے سکندر نے فساد و نفاق کیا
کہ وارث ملک ہم نہ بود مع ہذا باغنیم رفاقت می	اور دشمن کے ساتھ رفاقت کر لی تو عالم گیر نے

نمود متواتر بہ عرض رسید ومکرر فرمان نصیحت آمیز ازراہِ تہدید و وعدہ ووعید صادر گردید فائدہ نہ بخشید۔[۱]	اس کے پاس متواتر نصیحت آمیز فرمان بھیجے، پھر تہدید ووعید بھی کی لیکن سب بے فائدہ ثابت ہوئیں۔

مجبوراً عالم گیر نے بیجاپور کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کرلیا لیکن سکندر سے غایت عزت واحترام کا برتاؤ کیا، اس کو سکندر خاں کا خطاب دیا، خلعت خاص مع تلوار کے جس کے پرتلہ پر موتی ٹکے ہوئے تھے، پھول کٹارہ مع مالائے مروارید، جس میں زمرد کا آویزہ تھا، کلغی مرصع اور عصائے مرصع عنایت کیا، اس کے ساتھ حکم دیا کہ خاص خیمہ شاہی کے پہلو میں اس کا خیمہ نصب کیا جائے اور ہر قسم کی ضروریات خزانہ شاہی سے مہیا کی جائیں، چنانچہ یہ پوری تفصیل مآثر عالم گیری (ص ۲۷۹-۲۸۰) تصنیف مستعد خاں ساقی میں مذکور ہے۔

حیدرآباد کا فرماں روا، عالم گیر کے زمانہ میں ابوالحسن شاہ تھا، جو عوام میں تاناشاہ کے نام سے مشہور ہے، قطب شاہ جو اس سے پہلے حیدرآباد کا فرماں روا تھا، اس نے جب وفات کی تو اس کی کوئی اولادِ ذکور نہ تھی، نہ کوئی قریب عزیز تھا، مجبوراً ابوالحسن کو، جو دور کا واسطہ رکھتا تھا، تخت نشین کیا، ابوالحسن بچپن سے قلندروں کے ساتھ آوارہ پھرتا رہا تھا، اس لیے تخت نشینی کے بعد بھی یہ شان قائم رہی، صاحب مآثر الامرا اگرچہ اس کا اس قدر طرف دار ہے کہ حیدرآباد کی فتح کا جہاں ذکر آتا ہے، اس کا دل بے اختیار ہو جاتا ہے، تاہم اس کے حال میں لکھتا ہے:

ابوالحسن والی تلنگ کہ از غایت انہماک در عیش و عشرت گاہے در پانزدہ سالہ حکومت خویش ازشہر حیدرآباد غیراز مسافت یک کردہ بہ محمد نگر	ابوالحسن والی تلنگانہ نے انتہائی عیش پرستی کی وجہ سے پندرہ سال کی حکومت میں بھی حیدرآباد سے باہر قدم نہیں رکھا بجز اس کے کہ گولکنڈہ گیا

---

[۱] محمد ہاشم خاں معروف بہ خافی خاں، منتخب اللباب، ج ۲، ص ۳۱۶-۳۱۷، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۸۷۴ء۔

گولکنڈہ سفر گزیں نہ شدہ بود و سواری ہر روزہ بر د دشوار بود[1]	تھا جو حیدر آباد سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے روز آنہ کی سواری بھی اس کو دشوار تھی۔

ابو الحسن کی عیش پرستی نے تمام ریاست کو اس رنگ میں رنگ دیا اور ہر طرف اعلانیہ بد معاشی اور شراب خوری پھیل گئی، خافی خاں لکھتا ہے:

از آنکہ ابو الحسن قطب الملک فرماں روائے حیدر آباد بہ افعال قبیح از سپردن ملک بہ مادنا و آکنا کہ ہر دو کافر شدید العداوت بودند سختی و ظلم و زیادتی بر مسلمانان می گذشت و فسق و فجور علانیہ از رواج مسکرات و لہو و لعب زیاد بعرض رسید[2]	ابو الحسن قطب الملک فرماں روائے حیدر آباد نے ملک کو مادنا اور آکنا کے ہاتھ میں دے دیا تھا جو سخت متعصب تھے اور اس وجہ سے مسلمانوں پر سخت ظلم ہوتا تھا، علانیہ فسق و فجور، لہو ولعب اور شراب خوری ملک میں پھیل گئی تھی، یہ خبریں عالم گیر کو پہنچیں۔

ابو الحسن کو جس نے سلطنت دلائی تھی، وہ سید مظفر نام ایک اولو العزم امیر تھا لیکن ابو الحسن نے اس کو معزول کر کے مادنا نام ایک برہمن کو وزارت کے عہدے پر مامور کیا اور حکومت و سلطنت کے تمام اختیارات اس کو دے دیے، اس کے تسلط اور اقتدار کی یہ نوبت پہنچی کہ ابو الحسن کے سپہ سالار نے، جس کا نام ابراہیم خلیل اللہ خاں تھا اور بڑی سطوت اور اقتدار کا آدمی تھا، اپنے نگینے پر یہ شعر کندہ کرایا تھا:

زالتفات بادشاہ و پنڈت[3] روشن رواں گشت ابراہیم سر لشکر خلیل اللہ خاں[4]

مادنا کے تسلط اور اقتدار کے متعلق صاحب مآثر الامرا لکھتا ہے:

رتق و فتق امور ملکی و مالی باقتدار آں دو برادر باہمن شوم ملوم مادنا و آکنا (کہ خمیر مایہ مفاسد د	امور ملکی و مالی کے تمام انتظامات دو منحوس اور بد اطوار برہمن بھائیوں مادنا و آکنا کے سپرد

---

[1] صمصام الدولہ شاہ نواز خاں، مآثر الامرا، ج ۱ ص ۵۳۶، تذکرہ جان سپار خاں، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۸۸۸ء

[2] منتخب اللباب، ج ۲ ص ۲۹۲-۲۹۳ [3] یعنی مادنا [4] مآثر الامرا، ج ۳ ص ۶۲۸، تذکرہ مہابت خاں حیدر آبادی۔

فتن و مورث و بال وزوال آں دردمان کہن گشتند) تفویض یافت[۱]۔

ہو گئے جو کہ اس پرانی حکومت کے فتنہ وفساد اور وبال وزوال کا ذریعہ بنے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ شیوا جی عالم گیر کے دربار سے بھاگ کر دکن میں آ گیا تھا، وہ حیدرآباد میں آیا اور ابوالحسن سے کہا کہ آپ اور ہم مل کر شاہی ممالک پر حملہ آور ہوں، چنانچہ ابوالحسن نے فوج اور روپئے سے اس کی مدد کی، عالم گیر کی تخت نشینی کا اکیسواں سال تھا کہ شیوا جی نے تیموری حدودِ حکومت میں گھس کر جالنہ کو برباد کر دیا، مآثر الامرا میں اس واقعہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

پستر باوالی حیدرآباد متفق شدہ قرارداد کہ باتفاق بافوج پادشاہی جنگ می نمایم اول بہ تسخیر قلاع تردمن باید دید بدیں تقریب فوج وزراز و گرفتہ برتنجاور رفت......ودرہمیں سال سیوا بر ملک پادشاہی دویدہ پرگنہ جالنہ راویراں ساخت[۲]

شیوا نے حیدرآباد کے حاکم سے متفق ہو کر یہ طے کیا کہ (تمہارے) ساتھ مل کر شاہی فوج سے جنگ کروں گا، پہلے میری کوشش قلعوں کے فتح کرنے میں دیکھ لیجیے......اور اسی سال شیوا نے بادشاہی ملک پر حملہ کر کے پرگنہ جالنہ کو ویران کر دیا۔

شیوا کے مرنے کے بعد جب سنبھا اس کا جانشین ہوا تو ابوالحسن نے اس کو بھی عالم گیر کے مقابلہ میں ہر قسم کی مدد دی اور ایک لاکھ ہون (ایک طلائی سکہ کا نام ہے) نقد بھیجا، چنانچہ خافی خاں لکھتا ہے:

وعلاوہ آں درامداد سنبھائے جہنمی دارالحربی در تاخت ملک وتسخیر قلعہ جات ورساندن لک ہوں نقد خود را بدنام وزبان زد عالمی ساختہ بود[۳]

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نے جہنمی اور دارالحربی سنبھا کو ملک کو ویران اور برباد کرنے اور قلعوں کی تسخیر میں بھی مدد کی، ایک لاکھ ہوں نقد دے کر خود کو ایسا بدنام کیا کہ ہر شخص کی زبان سے اس بدنامی کا چرچا ہو گیا۔

---

۱ مآثر الامرا، ج ۲،ص ۶۲۸، تذکرہ مہابت خاں حیدرآبادی ۲ مآثر الامرا، ج ۲،ص ۲۴۸-۲۴۹

۳ منتخب اللباب، ج ۲،ص ۲۹۳۔

ان سب پر طرہ یہ کہ جس زمانہ میں عالم گیر بیجاپور کے محاصرہ میں مشغول تھا، ابوالحسن نے اپنے ایک سردار کو لکھا کہ ایک طرف سے سنبھا بے شمار فوج لے کر بڑھتا ہے اور دوسری طرف سے میں چالیس ہزار جرار فوج بھیجتا ہوں، دیکھوں حضرت (عالم گیر) کس کس کا مقابلہ کرتے ہیں، چنانچہ اس واقعہ کو ابوالحسن کے خط کی نقل کے ساتھ تمام مؤرخوں نے نقل کیا ہے، صاحب مآثر الامرا لکھتے ہیں:

چوں آں مہم بہ امتداد کشید پادشاہ کشور کشا بہ اقتضائے صواب دید از اورنگ آباد بہ احمد نگرو ازاں جا شولہ پور معسکر گردانید ناگاہ نوشتہ ابوالحسن بنام حاجب او (کہ درفوج فیروزی بود) بجنس از نظر بادشاہی گذشت بدیں مضمون کہ تا حال پاس مراسم بزرگ گذاشت می نمودیم حالاں کہ ایشاں سکندر را یتیم وناتواں دانستہ بیجاپور را محاصرہ نمودہ کار بروتنگ آوردند واجب آمد کہ سوائے جمعیت موفور بیجاپور راجہ سنبھا ازطرف باقشون از شمار افزوں جہت کمک آن بے کس کمر سعی بربندد وما بہ سرداری خلیل اللہ خاں پلنگ جملہ چہل ہزار سوار مستعد پیکار تعیین نمائیم وبہ بینیم کہ ایشاں کدام طرف مقابلہ و مقاومت خواہند کرد[1]

چوں کہ اس مہم میں زیادہ مدت لگی لہٰذا فاتح بادشاہ (عالم گیر) صواب دید کی بنا پر اورنگ آباد سے احمد نگر اور وہاں سے شولہ پور پہنچا اور لشکر جمایا، اتفاق سے ابوالحسن کا خط اس کے سفیر کے نام، جو عالم گیر کی فوج میں آیا ہوا تھا، بادشاہ (عالم گیر) کی نظر سے اصلی حالت میں گزر گیا، اس کا مضمون یہ تھا کہ "ہم نے اب تک ان کی بزرگی کا خیال کیا، اب انہوں نے سکندر کو یتیم وناتواں سمجھ کر بیجاپور کا محاصرہ کرلیا ہے اور اس کو پریشان کر رکھا ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ بیجاپور کی کثیر فوج کے علاوہ ایک طرف سے راجہ سنبھا اپنا گراں لشکر لے کر اس بیچارے (سکندر) کی مدد کے لیے آجائے اور ہم خلیل اللہ خاں پلنگ جملہ کی سرداری میں چالیس ہزار سوار جنگ کے لیے تیار رکھیں اور پھر دیکھیں کہ وہ کدھر کدھر مقاومت ومدافعت کریں گے۔

۱؎ مآثر الامرا، ج ۲، ص ۶۲۸-۶۲۹۔

عالم گیر نے یہ خط پڑھا تو کہا کہ ہم نے اب تک اس بندر نچانے والے کو چھوڑ رکھا تھا لیکن جب مرغی نے خود آواز دی تو اب کیا باقی رہا۔

بااین ہمہ جب عالم گیر کے حکم سے شاہ زادہ معظم شاہ حیدر آباد کی مہم پر روانہ ہوا تو اس نے ابوالحسن کو لکھا کہ شرائط ذیل منظور ہوں تو عفو تقصیر کے لیے سفارش کی جائے، شرائط یہ تھے:

۱- مادنا وزارت سے معزول ہو کر مقید کر دیا جائے۔

۲- سیرم ورام گیر وغیرہ، جو ممالک محروسہ میں داخل تھے اور جن پر غصباً قبضہ کر لیا گیا ہے، واپس کر دیے جائیں۔

۳- پیش کش مقررہ کی باقیات ادا کر دی جائیں۔

لیکن ابوالحسن نے درباریوں کی ایما سے یہ شرطیں منظور نہیں کیں، چنانچہ خافی خاں لکھتا ہے:

"ازاں کہ پادشاہ زادہ محمد معظم نمی خواست کہ تا مقدور کار بہ جنگ کشید بہ خلیل اللہ خاں پیغام نمود کہ اگر ابوالحسن باظہار ندامت والتماس عفو تقصیر پیش آمدہ دست اختیار مادنا وآکنارا از امور ملکی کوتاہ نمودہ مقید سازد۔

دوئم آں کہ پرگنات سیرم ورام گیر وغیرہ کہ بغصب از تصرف بندہائے بادشاہی بہ دعوی بیجاپور برآوردہ دست ازاں برداشتہ بہ از حوالہ منصوباں، بادشاہی نماید دیگر آں کہ باقی پیش کش سابق ولاحق بلاتوقف واہمال روانہ بارگاہ آسماں جاہ سازد برائے عفو تقصیرات او بہ حضور معروض داشتہ آید۔

امرائے ناقص عقل دکن از راہ غرور بہ جواب ہائے مہمل پیش آمدہ در دفعیہ غضب بادشاہی نتوانستند پرداخت[1]۔"

---

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۲۹۶۔

اس واقعہ کے بعد ایک دفعہ پھر شہزادہ معظم نے صرف اس شرط پر صلح کی گفتگو کی کہ سیرم وغیرہ واپس کر دیے جائیں لیکن وہاں سے یہ جواب آیا کہ سیرم ہمارے نیزے کی نوک سے بندھا ہوا ہے[۱]۔

انصاف کرو کہ ان حالات کے ساتھ کہ بادشاہ کو انتظام کی قابلیت نہیں، رندی اور عیاشی دربارشاہی سے گزر کر چاروں طرف پھیلتی جاتی ہے، وزیراعظم اور درباری ہندو ہیں جو مسلمانوں کو پامال کرتے جاتے ہیں، مرہٹوں کو فوج اور خزانے سے مدد دی جارہی ہے کہ تیموری سلطنت کا تختہ الٹ دیا جائے، تیموری علاقوں پر غارت گریاں ہو رہی ہیں، ان حالات کے ساتھ اکبر تو کیا اگر نوشیرواں یا عمر بن عبدالعزیز بھی ہوتے تو کیا کرتے؟ وہی کرتے جو دنیا بھر کے الزاموں کے ہدف یعنی عالم گیر نے کیا، حملہ کے وقت جب ابوالحسن نے اسی قدیم طریقے پر معافی کی درخواست کی تو عالم گیر نے حسب ذیل فرمان لکھا:

''اگرچہ افعال قبیح آں بدعاقبت از احاطہ تحریر بیرون است امااز صد یکے واز بسیار اند کے بہ شمار می آید، اولاً اختیار ملک وسلطنت بہ کف اقتدار کافر، فاجر، ظالم دادند و سادات ومشائخ وفضلا رامنکوب ومغلوب ساختند ودررواج فسق وفجور بہ افراط علانیہ کوشیدند وخود از بادہ پرستی بہ ریاست وبدمستی دولت درانواع کبائر شب وروز مستغرق بودند بلکہ کفر از اسلام وظلم از عدل وفسق از عبادت فرق نہ نمودند ودراعانت کفار حربی اصرار ورزیدند خود را درعدم اطاعت اوامر ومناہی الٰہی خصوص در مادہ منع معونت دارالحربی کہ نص کلام مجید بہ تاکید واقع شدہ نزد خلق وخالق مطعون ساختند چنانچہ مکرر دریں باب فرامین نصیحت آمیز مصحوب مردم آداب داں مزاج گرفتہ حضور صادر شد وپنبہ غفلت از گوش نہ کشید بلکہ دریں تازگی فرستادن لکھ ہون برائے سنبھاجی بدکردار بہ عرض رسید باایں ہمہ غرور مستی بادہ ناکامی نظر بر افعال وزشتی اعمال خود نہ نمودند وامید رستگاری در ہر دو جہاں داشتند

---

۱ منتخب اللباب، ج ۲، ص ۳۰۲۔

ع زہے تصور باطل زہے خیال محال[1]

ان الفاظ کو غور سے پڑھو اور بار بار پڑھو اور انصاف کرو کیا ان میں ایک لفظ بھی واقعیت اور سچائی سے ہٹا ہوا ہے، اس بوالعجبی کو دیکھو کہ نعمت خاں عالی مصنف مآثر الامرا (شاہ نواز خاں) خافی خاں کے نزدیک ان سب باتوں کے ساتھ بھی حیدر آباد کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا گناہ ہے، ان کے نزدیک عالم گیر کا کانشس (Concious) خود حیدر آباد کے حملے کے نام سے کانپ اٹھتا ہے، وہ حیدر آباد کا قصد کرتا ہے لیکن شیخ الاسلام سے فتویٰ پوچھتا ہے اور وہ کسی طرح اس کی اجازت نہیں دیتے، یہاں تک کہ اپنے عہدہ سے مستعفی ہو جاتے ہیں[2]، وہ مرزا محمد کو سفارت کے طور پر ابوالحسن کے پاس بھیجتا ہے اور خلوت میں لے جا کر اس سے چپکے سے کہتا ہے کہ ابوالحسن سے اس طرح سختی کے ساتھ بات چیت کرنا کہ وہ بھی مجبور ہو کر سختی سے پیش آئے اور مجھ کو حیدر آباد کے حملے کے لیے سند ہاتھ آئے[3]، وہ ابوالحسن سے ایک بے بہا الماس اس غرض سے طلب کرتا ہے کہ وہ انکار کرے اور لڑائی کے لیے بہانہ ہاتھ آئے۔

ان مؤرخوں کی دانش مندی پر غور کرو کہ مرہٹوں کی سازش، شاہی مقبوضات پر تصرف، ہندوؤں کا تسلط، ملک کی بد انتظامی، فسق و فجور کا رواج، عام مسلمانوں کی ذلت و خواری، یہ چیزیں حیدر آباد پر حملہ کرنے کے لیے سند نہیں بن سکتیں لیکن سفیر کے ساتھ سخت کلامی اور الماس دینے سے انکار وہ جرم ہے جس کی سند پر عالم گیر بے دریغ حیدر آباد پر حملہ کر سکتا ہے اور پھر اس کو کوئی کسی قسم کا الزام نہیں دے سکتا۔

عبدالقادر بدایونی نے نکتہ چینی کے ساتھ اکبر کے صحیح صحیح واقعات قلم بند کیے، جہاں گیر نے اپنے زمانۂ حکومت میں حکم دے دیا کہ اس کی اشاعت قطعاً بند کر دی جائے، نعمت خاں عالی نے وقائع نعمت خاں میں سر تا پا عالم گیر کی ہجو لکھی لیکن عالم گیر کے جانشین

---

[1] منتخب اللباب، ج۲، ص ۳۲۷-۳۲۸ [2] مآثر الامرا، ج۱، ص ۲۳۶-۲۳۷، تذکرہ قاضی عبدالوہاب

[3] منتخب اللباب، ج۲، ص ۲۹۴۔

بہادر شاہ نے شیعیت کی مناسبت سے نعمت خاں کو دانش مند خاں کا خطاب دیا، وقائع نعمت خاں درس میں داخل ہوگئی، عالم گیر کو جب بہادر شاہ سا جانشین اور نعمت خاں عالی، خافی خاں، شاہ نواز خاں جیسے وقائع نگار ہاتھ آئیں تو بے چارے کو نیک نامی کی کیا توقع ہوسکتی ہے، تاہم یہ متعصب مؤرخ سچ کو نہیں چھپا سکے اور خود ان ہی کے مسلمہ واقعات نے بتایا کہ حیدر آباد کا استیصال کرنا کسی اسلامی سلطنت کا نہیں بلکہ ایک مرہٹی سلطنت کا استیصال کرنا تھا۔

ہم نے بعض شیعی احباب کو یہ کہتے سنا ہے کہ عالم گیر نے خود اپنی سلطنت برباد کی، کیوں کہ دکن کی ریاستیں مرہٹوں کو دبائے ہوئے تھیں، ان کا دباؤ اٹھ گیا تو مرہٹے زور پکڑ گئے لیکن ہمارے دوستوں کو یہ معلوم نہیں کہ دکن کی یہ ریاستیں مرہٹوں کی گویا باج گزار بن گئی تھیں[۱] اور اگر عالم گیر حیدر آباد اور بیجاپور کو فتح نہ کر لیتا تو آج بڑودہ اور گوالیار کی طرح حیدر آباد اور بیجاپور پر بھی مرہٹوں کا علم لہراتا ہوتا۔

---

[۱] مستعد خاں ساقی، مآثر عالم گیری میں والی بیجاپور کے حال میں لکھتا ہے "مغلوب کافر شقاوت قرین سنبھائے بے دین گشتہ۔" (ص ۲۷۶) ابوالحسن کا بھی یہی حال تھا۔

اورنگ زیب عالم گیر اور مرہٹے

عالم گیر کی فردِ قرارداد جرم کا یہ دوسرا نمبر ہے اور یہ جرم بجائے خود متعدد جرائم کا مجموعہ ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- مرہٹوں کا فساد عالم گیر کی ذات سے برپا ہوا۔

۲- شیواجی جب عالم گیر کے دربار میں حاضر ہوا تو عالم گیر نے اس سے ایسا برتاؤ کیا جس سے وہ چاروناچار سرکشی پر مجبور ہوا، ورنہ اگر فراخ حوصلگی سے کام لیا جاتا تو وہ عالم گیر کا حلقہ بگوش ہو جاتا۔

۳- شیواجی کو عالم گیر نے امان دے کر بلایا تھا لیکن خلافِ عہد اس کو نظر بند کر دیا۔

۴- شیواجی کے جانشینوں کے ساتھ عالم گیر نے اچھا سلوک نہیں کیا۔

۵- عالم گیر مرہٹوں کو زیر نہ کر سکا اور چوں کہ مرہٹوں ہی نے سلطنت تیموریہ کو زیروزبر کر دیا اس لیے تیموریوں کی بربادی کا اصلی سبب خود عالم گیر تھا۔

ان بحثوں کے فیصل کرنے سے پہلے ہم شیواجی کے خاندان کی ابتدائی تاریخ لکھتے ہیں، جس سے متنازع فیہ مسئلوں کے متعلق آئندہ مدد ملے گی۔

شیواجی کا خاندان | شیواجی[1] کا خاندان دراصل مہارانا اودے پور سے تعلق رکھتا ہے،

---

[1] شیواجی کے خاندان کا حال خافی خاں نے اپنی تاریخ (منتخب اللباب، ج ۲، ص ۱۱۱، مطبوعہ کلکتہ) اور غلام علی آزاد نے خزانہ عامرہ (ص ۳۹) میں تفصیل سے لکھا ہے لیکن سب سے زیادہ تفصیلی اور محقق حالات مآثر الامرا میں ہیں، چوں کہ شیواجی کا پوتا ساہو، عالم گیر کے دربار میں ہفت ہزاری منصب رکھتا تھا، (بقیہ حاشیہ ص ۱۸ پر)

اس خاندان میں سورسین نام ایک شخص بعض اسباب سے چتوڑ چھوڑ کر پرگنہ کرنب ضلع پرینده ریاست دکن میں چلا آیا، اس کے خاندان میں سے مالو جی اہل وطن سے ناراض ہوکر ایلورہ میں، جو دولت آباد کے قریب ہے، آکر آباد ہوا۔

اس زمانہ میں دولت آباد نظام شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور یہاں کا دیس مکھ (یعنی تحصیل دار) لکھی جادو نام ایک شخص تھا، مالو جی نے لکھی جادو کی سرکار میں ملازمت اختیار کی، مالو جی کے دو بیٹے تھے، چوں کہ وہ شاہ شریف صاحب کا، جن کی قبر احمد نگر میں ہے، نہایت معتقد تھا، اس لیے اس نے بیٹوں کا نام شاہ صاحب موصوف کے تعلق سے شاہ جی اور شرف جی رکھا، یہی شاہ جی آگے چل کر ساہو جی کے لقب سے مشہور ہوا اور یہی ساہو جی ہے، جو شیوا جی کا باپ تھا، لکھی جادو کے کوئی اولاد نہ تھی، صرف ایک لڑکی تھی، شاہ جی چوں کہ خوش اندام اور خوش رو تھا، لکھی جادو نے اس کو اپنا متبنّٰی بنایا اور چاہا کہ اپنی بیٹی اس کو بیاہ دے لیکن لکھی جادو کے خاندان والوں نے اس کو باز رکھا، بالآخر مالو جی نے انگ پال (ایک معزز زمین دار تھا) کے دربار میں رسائی حاصل کی اور دباؤ ڈال کر مالو جی کی لڑکی سے شاہ جی کی شادی کر دی۔

ساہو جی | ساہو جی نے سب سے پہلے نظام شاہی دربار میں توسل پیدا کیا، ۱۰۳۰ھ میں جب نظام شاہ کی فوجوں نے نربدا اتر کر مالوہ کو غارت کیا اور جہاں گیر نے اس کے دفعیہ کے لیے لشکر کشی کی تو نظام شاہ کے فوجی سرداروں میں ساہو جی اور اس کا خسر جادو رائے بھی تھا[۱]۔

جہاں گیر نے جب اس کے انتقام کے لیے شاہ جہاں کو دکن بھیجا تو جادو رائے شاہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے صلہ میں اس کو پنج ہزاری منصب ملا اور تمام

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷) اس لیے مآثر الامرا میں اس کا حال مستقل عنوان سے لکھا ہے اور اس کے ذیل میں اس کے خاندان کے ابتدائی حالات بھی نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، میں نے زیادہ تر حالات اسی کتاب سے لیے ہیں۔ (مآثر الامرا، ج دوم، ص ۳۴۲ تا ۳۵۸)

[۱] منتخب اللباب، ج ۱، ص ۳۱۸ و مآثر الامرا، ج ۱، ص ۵۲۰۔

خاندان کو حسب مراتب عہدے ملے لیکن پھر باغی ہو کر ۱۰۴۰ھ میں نظام شاہ کے پاس واپس چلا گیا، نظام شاہ نے اس کو قتل کرا دیا، اس بنا پر ساہو جی نظام شاہ سے ناراض ہو کر شاہ جہاں کے دربار میں چلا آیا اور پنج ہزاری منصب پر سرفراز ہوا، اس کے ساتھ خلعت، اسلحہ مرصع، علم، نقارہ، اسپ، فیل اور دو لاکھ نقد انعام بھی ملے، ساہو جی کے سالوں کو بھی، جن کا نام بہادر اور جگ دیو تھا، پنج ہزاری اور چار ہزاری منصب ملے[1]، شاہ جہاں نے نظام شاہ کے بعض علاقے جو عنبر کی جاگیر میں تھے، ساہو جی کو دے دیے تھے لیکن جب ۱۰۴۱ھ میں عنبر کا بیٹا فتح خاں نظام شاہ سے باغی ہو کر شاہ جہاں کے دربار میں چلا آیا تو شاہ جہاں نے عنبر کے علاقے ساہو جی سے لے کر فتح خاں کو واپس کر دیے، اس بنا پر ساہو جی ناراض ہو کر عادل شاہ والی بیجاپور سے جا کر ملا اور ایک فوجِ گراں بہا لے کر دولت آباد کی طرف بڑھا[2]۔

ساہو جی کی تنبیہ کے لیے شاہ جہاں نے فوجیں روانہ کیں اور اسی سنہ میں اس کے اہل و عیال گرفتار ہوئے، ۱۰۴۲ھ میں ساہو جی نے ظفر نگر پر حملہ کیا، ۱۰۴۴ھ میں اور اضلاعِ شاہی پر غارت گری کی، اس کی پاداش کے لیے اورنگ زیب عالم گیر مامور ہوا۔

شاہ جہاں نے نظام شاہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا، اس کی کوئی اولاد نہ تھی، ساہو جی نے ایک مجہول النسب لڑکے کو نظام شاہ کا وارث قرار دے کر تخت نشین کیا اور تیموری حکومت کے بعض اضلاع دبا لیے[3]، ان دست درازیوں میں عادل شاہ والی بیجاپور بھی ساہو جی کا برابر کا شریک تھا، چنانچہ ساہو جی کی اعانت کے لیے عادل شاہ نے رندولہ کو فوج دے کر بھیجا تھا[4]۔

یہ دست درازیاں اس حد تک پہنچیں کہ شاہ جہاں نے بڑے زور و شور سے اس کے استیصال کا عزم کیا، ۱۰۴۵ھ مطابق ۹ جلوس میں ۴۸ ہزار فوج بڑے بڑے امرا کی

---

۱ منتخب اللباب، ج ۱، ص ۴۲۸ و مآثر الامرا، ج ۱، ص ۵۲۰ و ۵۲۲ ۲ منتخب اللباب، ج ۱، ص ۴۷۵-۴۷۶

۳ ایضاً، ج ۱، ص ۵۲۰ ۴ منشی غلام حسین خاں طباطبائی، سیر المتاخرین، ج ۱، ص ۲۶۴، مطبوعہ نول کشور، ۱۳۱۴ھ۔

سپہ سالاری میں دے کر دکن کو روانہ کیا، ان میں سے بیس ہزار فوج کا سردار خان زماں کو بنا کر حکم دیا کہ چمار کونڈہ کو جو ساہو کا مستقر ہے، برباد کر کے کوکن کے اضلاع کی طرف بڑھے، چنانچہ ان فوجوں نے ساہو کے پچیس قلعے فتح کر کے ساہو کو بیجاپور تک بھگا دیا، ۱۰۴۶ھ میں ساہو جی نظام شاہی علاقے سے بھی نکال دیا گیا[1]۔

ساہو جی نے عادل شاہ کے دربار میں ملازمت اختیار کی، عادل شاہ نے پونہ اور سوپہ اس کو جاگیر میں دیے، شیوا جی اب جوان ہو چکا تھا اور حوصلہ مندی کے جوہر دکھانے لگا تھا، ان اضلاع کا اہتمام اس نے اپنے ہاتھ میں لیا اور جا بجا قلعے تیار کرنا شروع کیے، رفتہ رفتہ ایک بڑی فوج جو حسب بیان مآثر الامرا پندرہ ہزار تھی، تیار کر لی اور اپنی حکومت کے علاقے وسیع کرنے شروع کیے، اسی اثنا میں عادل شاہ بیمار پڑا اور دربار میں سخت ابتری پیدا ہو گئی، شیوا جی نے آس پاس کے علاقوں پر دست درازی شروع کی، دور دور تک کے علاقے زیر اثر کر لیے، تھوڑے دنوں میں کوکن کے تمام علاقہ پر، جو بیجاپور کی حکومت میں داخل تھا، متصرف ہو گیا[2]، شیوا جی نے قوت پا کر یہ طریقہ اختیار کیا کہ جو شہر یا قصبہ آباد یا خوش حال ہوتا، اس پر چھاپا مارتا اور لوٹ لیتا، وہاں کا حاکم جب عادل شاہ کو خبر کرتا تو ساتھ ہی شیوا جی کی عرضی پہنچتی کہ اس ضلع کی آمدنی میں بہت اضافہ ہو سکتا ہے، اضافہ کی شرط پر میری جاگیر میں دے دیا جائے، دربار میں عادل شاہ کی بیماری کی وجہ سے ابتری پھیلی ہوئی تھی، اس لیے جاگیرداروں کی تحریر پر کوئی متوجہ نہیں ہوتا تھا[3] اور رشوت خور عمال شیوا کو جاگیر کی سند لکھ کر بھیج دیتے تھے، اسی اثنا میں یعنی ۱۰۶۶ھ مطابق ۳۰ سنہ جلوس میں عادل شاہ مر گیا اور چوں کہ اس کی کوئی اولادِ ذکور نہ تھی، درباریوں نے ایک مجہول النسب لڑکے کو تخت نشین کیا جو علی عادل شاہ کے نام سے مشہور ہے، شاہ جہاں کو خبر ہوئی تو اس نے عالم گیر کو لکھا کہ بیجاپور پر قبضہ کر لیا جائے[4]، عالم گیر

۱؎ منتخب اللباب، ج۱، ص۵۲۰ تا ۵۳۹ ۲؎ ایضاً، ج۲، ص۱۱۳ تا ۱۱۶ ۳؎ ایضاً، ج۲، ص۱۱۴ تا ۱۱۵

۴؎ ایضاً، ج۲، ص۷۵۴۔

نے بیجاپور کا محاصرہ کیا، علی عادل شاہ نے مجبور ہو کر کروڑ روپیہ نذرانہ دینا منظور کیا۔

اسی اثنا میں شاہ جہاں بیمار ہوا، دارا شکوہ نے ولی عہدی کے دعوے سے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اور چوں کہ سب سے مقدم عالم گیر کا زور توڑنا تھا، تمام امرا اور فوجی افسروں کو، جو عالم گیر کے ساتھ تھے، حکم بھیج دیا کہ پایہ تخت میں واپس آئیں، عالم گیر مجبوراً محاصرہ چھوڑ کر اورنگ آباد چلا آیا[۱]۔

اب حالت یہ ہے کہ شاہ جہاں بیمار اور مسلوب الاختیار ہے، دارا شکوہ نے بھائیوں کے استیصال کی تیاریاں کی ہیں، مراد نے گجرات میں سکہ وخطبہ جاری کیا، شجاع بارادہ حکومت، بنگالہ سے دار السلطنت کی طرف بڑھتا آتا ہے، عالم گیر دکن سے روانہ ہو گیا ہے، شیوا جی کو کھل کھیلنے کے لیے اس سے زیادہ اور کیا موقع نصیب ہو سکتا تھا، اس نے ہر طرف دست درازیاں شروع کر دیں، چالیس قلعے تیار کرائے، جزیروں میں بحری قوت کا سامان کیا[۲]، مرہٹوں کی ایک فوجِ گراں تیار کی اور رفتہ رفتہ بیجاپور کے اکثر اضلاع پر متصرف ہو گیا۔ ع

باغباں در صحن گلشن مست خواب افتادہ است　　دست گل چیں قتل عام لالہ وگل می کند

علی عادل شاہ نے ہوش سنبھالا تو اپنے سپہ سالار افضل خاں کو شیوا جی کے استیصال کے لیے بھیجا، افضل خاں نے اس کو محصور کر لیا، شیوا جی نے عاجز ہو کر مکر وفریب سے کام لینا چاہا، خافی خاں لکھتا ہے:

"افضل خاں کہ از امرائے عمدہ واز شجاعان بر سرانجام بود بعد رسیدن بر سر او کا رو تنگ آورد و آں مفسد بر سگال چوں دید کہ در جنگ صف ومحصور گردیدن صرفہ او نمے کند بحیلہ وتزویر وروباہ بازی پیش آمدہ مردم معتمد را درمیان انداختہ باظہار ندامت والتماس قبول عفو تقصیرات رجوع آورد[۳]۔"

مآثر عالم گیری میں ہے کہ جب عادل شاہ نے شیوا جی پر لشکر کشی کا ارادہ کیا تو

---

۱ منتخب اللباب، ج ۲، ص ۵۶ و ۵۷ ۲ ایضاً، ج ۲، ص ۱۱۵-۱۱۶ ۳ ایضاً، ج ۲، ص ۱۱۶۔

شیواجی نے پیش دستی کر کے عفو تقصیر کی درخواست کی اور لکھا کہ افضل خاں کو بھیجئے کہ میں ان کے ہم رکاب آ کر رو در رو اپنی معروضات پیش کروں، غرض افضل خاں دو ہزار سوار کے ساتھ روانہ ہوا، شرط یہ قرار پائی کہ ملاقات کے وقت کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہو، چنانچہ افضل خاں جریدہ گیا لیکن شیواجی بچھو آستین میں چھپائے ہوئے تھا، معانقہ کے ساتھ اس نے افضل خاں کا کام تمام کر دیا۔

عالم گیر کی لشکر کشی شیوا نے اس پر اکتفا نہ کر کے تیموری حدودِ حکومت میں بھی دست درازیاں شروع کیں، عالم گیر اگرچہ ابھی رقیبانِ سلطنت کے معرکوں سے فارغ نہ ہوا تھا، تاہم ۳۰؍جلوس مطابق جمادی الاولیٰ ۱۰۷۰ھ میں شائستہ خاں امیر الامرا کو اس ہنگامہ کو فرو کرنے کے لیے دکن بھیجا، امیر الامرا رجب ۱۰۷۰ھ میں سیوگاؤں میں داخل ہوا، شیوا اس وقت سوپہ میں تھا، امیر الامرا کی آمد سن کر وہاں سے نکل گیا، امیر الامرا نے سوپہ پر قبضہ کیا اور رفتہ رفتہ پونہ اور سیواپور بھی فتح ہو گئے، پھر جالنہ کا محاصرہ ہوا اور کئی مہینہ کے بعد محصورین نے امان طلب کی اور قلعہ حوالہ کر دیا[1]، امیر الامرا نے پونہ کو صدر مقام قرار دے کر خود اس محل میں قیام کیا جو شیوا نے اپنے لیے تعمیر کرایا تھا اور ہر طرف شیوا کے تعاقب کے لیے فوجیں بھیج دیں، شیوا جا بجا بھاگتا پھرتا تھا یہاں تک کہ دشوار گزار پہاڑوں کی گھاٹیوں میں بھی ایک ایک دو دو ہفتہ سے زیادہ کہیں ٹھہر نہیں سکتا تھا، خافی خاں لکھتا ہے:

> ''سیوا چناں منکوب و مغلوب ہراس گردیدہ بود کہ میان کوہ ہائے دشوار گذار ہر ہفتہ وہر ماہ جائے بسر می برد[2]''

شیوا نے اب اپنے قدیم طریقہ سے کام لیا، ۱۰۷۰ھ مطابق ۳ جلوس میں امیر الامرا پر شب خون مارا، چوں کہ امیر الامرا کی بے احتیاطی سے شیوا کو یہ موقع ہاتھ آیا تھا،

---

[1] ان واقعات کو مصنف مآثر عالم گیری (ص ۳۱-۳۲) اور خافی خاں (منتخب اللباب، جلد۲، ص ۱۱۹-۱۲۲) نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ [2] منتخب اللباب، ج۲، ص ۱۷۲۔

اس لیے عالم گیر نے امیر الامرا کو معزول کر کے شاہ زادہ معظم کو اس مہم پر مامور کیا۔

شیوا نے اب اور ہاتھ پاؤں نکالے، سورت کے پاس جو بندر گاہ تھے، یعنی جیول اور پائل وغیرہ، ان پر قبضہ کر لیا اور عام غارت گری کے ساتھ حجاج کے جہاز کو لوٹنا شروع کیا[1]، عالم گیر نے مہاراجہ جے سنگھ کو، جو ریاست جے پور کا راجہ اور سپہ سالاری کا منصب رکھتا تھا، اس مہم پر مامور کیا اور فوج کا ہراول دلیر خاں کو مقرر کیا، جے سنگھ ۱۰۷۵ھ مطابق ۸ ؁ جلوس میں پونہ میں داخل ہوا اور ہر طرف فوجیں پھیلا دیں، دلیر خاں نے سات ہزار سوار لے کر پانچ مہینہ کی مدت میں شیوا کے تمام علاقے پامال کر دیے، شیوا کا خاص دار السلطنت راج گڑھ تھا اور اس کے ننہال کے لوگ کندانہ میں رہتے تھے، شیوا نے دیکھا کہ یہ مقامات بھی فتح ہوئے تو تمام اہل و عیال برباد ہو جائیں گے، مجبوراً اس نے اطاعت کی سلسلۂ جنبانی کی، خافی خاں لکھتا ہے:

> ''کوتاہی سخن کار بر محصوران از سعی بہادران قلعہ کشا تنگ گردید و راہ فرار از اطراف چناں مسدود ساختند کہ ہر چند آں مجیل (یعنی حیلہ باز) خواست قبائل را از انجا بدر بردہ بہ مکان دشوار گذار دیگر ساندہ لشکر را برائے تعاقب آنہا سر گرداں ساز د نتوانست و دانست کہ بعد مفتوح گردیدن آں ملجاو ماوی مستقر الریاست آں واجب السیاست تمام مال و قبیلہ و عیال آں بدسگال پامال مکافات کردار او خواہد گردید لہٰذا چند نفر زبان فہم نزد راجہ (جے سنگھ) برائے التماس عفو تقصیرات و سپردن بعض قلعہ جات باقی ماندہ و ارادہ دیدن راجہ فرستاد[2]''

مآثر الامرا میں لکھا ہے کہ قلعہ رد رمال کے محاصرہ میں جب قلعہ کا ایک برج توپوں سے اڑا دیا گیا، تو دلیر خاں نے فوج کو قلعہ کے برج پر چڑھا دیا، شیوا نے دیکھا کہ اب قلعہ پورندہر بھی فتح ہوا چاہتا ہے جس میں شیوا کے تمام اہل و عیال محصور تھے، مجبور ہو کر صلح کی درخواست[3] کی لیکن راجہ جے سنگھ کو شیوا کی مکاری کی وجہ سے اس کی باتوں پر اعتماد نہیں تھا، اس

---

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۱۷۷ [2] ایضاً، ج ۲، ص ۱۸۰-۱۸۱ [3] مآثر الامرا، ج ۲، ص ۵۰ و ۵۱، تذکرہ دلیر خاں۔

لیے حکم دیا کہ حملہ و یورش کے سامان اور بڑھا دیے جائیں، اتنے میں خبر پہنچی کہ شیوا قلعہ سے جریدہ نکل کر آرہا ہے، ساتھ ہی چند برہمن جو اس کے معتمد تھے، راجہ کے پاس پہنچے اور نہایت عجز و زاری کے ساتھ سخت قسمیں کھائیں، خافی خاں لکھتا ہے:

''راجہ نظر بر عیاری و مکاری او اغماض نمودہ برائے یورش زیادہ از سابق تاکید فرمودہ تا آں کہ خبر رسید کہ سیوا جریدہ از قلعہ فرود آمد و برہمنان معتمد او رسیدہ قسم ہائے شدید بہ عجز و زاری تمام بہ میان آوردن[1]''

غرض جب اطمینان ہو گیا کہ شیوا عاجزانہ آتا ہے تو راجہ جے سنگھ نے اجازت دی اور اودے راج اپنے منشی کو استقبال کے لیے بھیجا لیکن چند مسلح راج پوت بھی ساتھ کر دیے کہ شیوا سے ہوشیار رہیں، یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر خلوص کے ساتھ آتا ہے تو بے ہتھیار آئے، ورنہ واپس چلا جائے[2]، شیوا جریدہ آیا، جے سنگھ نے مہربانی سے اٹھ کر گلے لگایا، شیوا نے ہاتھ جوڑ کر کہا[3]، ادنیٰ گنہ گار غلاموں کی طرح حاضر ہوا ہوں، اب آپ کو اختیار ہے، ماریے یا چھوڑ دیجیے، خافی خاں کے الفاظ یہ ہیں:

''بہ طریق بندہ ہائے مجرم و ذلیل رو بدیں درگاہ آوردہ ام خواہی بہ بخش و خواہی بہ کش[4]''

شیوا نے درخواست کی کہ تمام بڑے بڑے قلعے پیش کش ہیں، میرا بیٹا سنبھا جی ملازمانِ شاہی میں داخل کیا جائے، میں مطلق العنان کسی قلعہ میں بسر کروں گا لیکن جب کبھی ضرورت ہوگی فوراً حاضر ہوں گا، جے سنگھ نے اطمینان دلایا اور دلیر خاں کو کہلا بھیجا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے، چنانچہ سات ہزار زن و مرد قلعہ سے باہر نکلے اور ان کو امان دی گئی، دلیر خاں نے اپنی طرف سے تلوار، جمدھر، دو عربی گھوڑے مع ساز طلائی شیوا کو عنایت کیے اور اس کا ہاتھ جے سنگھ کے ہاتھ میں دیا، جے سنگھ نے خلعت، گھوڑا اور ہاتھی عطا کیا، دلیر خاں نے اپنے

---

[1] منتخب اللباب، ج۲،ص۱۸۱ [2] ایضاً، بے ہتھیار آنے کی شرط مآثر عالم گیری میں مذکور ہے۔ [3] منتخب اللباب، ج۲،ص۱۸۲ [4] ایضاً۔

ہاتھ سے شیوا کی کمر میں تلوار باندھی لیکن شیوا نے تھوڑی دیر کے بعد کھول کر رکھ دی اور کہا کہ میں بغیر ہتھیار کے خدمت گزاری کروں گا۔

اس سے پہلے راجہ جے سنگھ نے شیوا کی معافی کے لیے دربار شاہی میں لکھ بھیجا تھا، چنانچہ وہاں سے فرمان اور خلعت آیا، شیوا کو پہلے خلعت اور فرمان کے قبول کرنے کے آداب سکھلائے گئے، چنانچہ فرمان کے استقبال کے لیے شیوا تین میل تک پیادہ گیا اور خلعت کے سامنے آداب بجالایا[1]۔

شیوا نے ۳۵ قلعوں میں سے ۲۳ قلعے خدام شاہی کے حوالے کر دیے، شیوا کے بیٹے سنبھا کے لیے راجہ جے سنگھ نے پنج ہزاری منصب کی سفارش کی، چنانچہ وہ منظور ہوئی اور سنبھا کو فرمانِ شاہی عنایت ہوا، شیوا ۷/ ذی الحجہ ۱۰۷۵ھ کو جے سنگھ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اس وقت سے اب تک تلوار نہیں باندھتا تھا لیکن ۲۶/ ربیع الاول یعنی قریباً چار مہینہ کے بعد جے سنگھ نے اس کو ہتھیار لگانے کی اجازت دی اور مرصع تلوار عنایت کی۔

اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عالم گیر نے جب جے سنگھ کو شیوا کے استیصال کے لیے بھیجا تھا تو عادل شاہ والی بیجاپور کو بھی لکھا تھا کہ وہ اپنی فوجیں شیوا کے مقابلہ کے لیے بھیجے، عادل شاہ نے بہ ظاہر اس حکم کی تعمیل بھی کی لیکن وہ دراصل شیوا کے وجود کو پولیٹکل (Political) اغراض کے لیے ضروری سمجھتا تھا، اس لیے مخفی شیوا کو ہر طرح کی مدد دیتا تھا اور قطب شاہ والی حیدر آباد کو بھی اس کی سفارش کی، عالم گیر نامہ میں اس واقعہ کو نہایت صراحت کے ساتھ لکھا ہے، چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

”فرمان کرامت عنوان بہ عادل خاں عزصدور یافت کہ او نیز افواج خویش برسر آں بدکیش تعین نماید...... واگر چہ بہ ظاہر چنیں وامی نمود کہ بر امتثال امر اعلیٰ در دفع او ساعیست و برخے از لشکر ہائے خود بہ حدود ولایت آں مخذول تعین نمودہ بود لیکن ازیں جہت کہ

---

[1] یہ تمام تفصیل خافی خاں (منتخب اللباب، ج ۲، ص ۱۸۲–۱۸۳) میں ہے۔

دفع آں بدنہاد وقلعہ ریشا فساد و اوراباالکلیہ از مقدمات خرابی حال خویش اندیشیدہ صواب چناں می دانست کہ آں مقہور میان عساکر منصور واہل بیجا پور حائل باشد دریں اوقات بنا بر مصلحت کار خود بااو بہ نامہ و پیام وعہود و مواثیق سلسلہ جنبان یک دلی وموافقت گشتہ متفق ہم داستان شدہ بود ونہانی درمراتب امداد وسعادش کوشیدہ بہ تفویض اقطاعات وارسال نقود و دیگر مایحتاج اورا معاونت می کرد وبداں تدبیر ناقص واندیشہ واہی قطب الملک را نیز بریں داشتہ بود[1]"

کیا ان واقعات کے بعد بھی عالم گیر کا حملہ بیجا پور اور حیدر آباد پر بے وجہ کہا جا سکتا ہے، یہ ایک اتفاقی جملہ بیچ میں آ گیا تھا، اب پھر ہم شیوا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

شیوا نے اطاعت قبول کی اور ۲۳ قلعوں کی کنجیاں حوالہ کیں، ۹ سنہ جلوس مطابق ۱۰۷۶ھ میں وہ پایہ تخت یعنی آگرہ کو روانہ ہوا، شہر کے قریب پہنچا تو عالم گیر نے کنور رام سنگھ کو، جو راجہ جے سنگھ کا بیٹا تھا اور مخلص خاں کو استقبال کے لیے بھیجا، شیوا دربار میں پہنچ کر آداب بجا لایا اور نذر پیش کی، عالم گیر نے اشارہ کیا کہ پنج ہزاری امرا کی قطار میں اس کو جگہ دی جائے لیکن شیوا کی توقعات اس سے زیادہ تھیں، اس نے ایک گوشہ میں جا کر رام سنگھ سے شکایت کی اور دردِ شکم کے بہانہ سے وہیں فرش پر لیٹ گیا[2]، عالم گیر نے حکم دیا کہ فرودگاہ کو واپس جائے۔

یورپین مؤرخین اور ان کے مقلدین نے عالم گیر کی ناعاقبت اندیشیوں اور غلط کاریوں کی جو یادداشت مرتب کی ہے، اس کا پہلا نمبر یہیں سے شروع ہوتا ہے، الفنسٹن صاحب گورنر بمبئی اپنی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں:

"اورنگ زیب کو یہ موقع حاصل تھا کہ شیواجی سے اہلیت برتتا اور نہایت سلوک سے پیش آ کر اس سے فائدہ اٹھاتا اور ایک ہیبت ناک دشمن کو اپنا دوست بناتا جیسا کہ اور

---

[1] محمد کاظم شیرازی، عالم گیر نامہ، ص ۹۱۲ و ۹۱۳، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، ۱۸۶۸ء [2] مآثر الامرا، ج ۲، ص ۳۴۷، تذکرہ راجہ ساہو۔

راجاؤں کے ساتھ اس نے اور اس کے بزرگوں نے کیا تھا، مگر جیسی کہ اس کی رائیں دین و ملت کے معاملہ میں تنگ وتاریک تھیں ویسے ہی تدبیر ممالک میں پست وکوتاہ تھیں، چنانچہ وہ اپنی طبیعت کو شیواجی کی یکا یک تذلیل واہانت سے روک تھام تو کر سکا مگر اپنے تعصبوں سے بالکل کنارہ کش نہ ہوسکا...... حاصل یہ کہ جب سیواجی دہلی کے متصل پہنچا تو ایک کم تر درجہ کا سردار اس کی پیشوائی کو جے سنگھ کے بیٹے رام سنگھ کے ساتھ بھیجا گیا اور جب کہ وہ خود دربار میں حاضر ہوا تو بات اس کی پوچھی نہ گئی، یہاں تک کہ سیواجی نے کمال ادب سے پیش کشیں کیں اور غالباً یہ چاہا کہ دستور کے موافق تعریف وثنا کے فقرے ادا کر کے بہ خضوع وخشوع تخت کی طرف آگے بڑھے، مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ بادشاہ نے کچھ توجہ نہ فرمائی اور تیسرے درجہ کے سرداروں میں بلا امتیاز اس کو کھڑا کیا تو وہ اپنے رنج وغیرت کو نہ روک سکا، چنانچہ غصہ اور حمیت کے مارے رنگ اس کا پلٹ گیا اور درباریوں کی صف سے کچھ پیچھے ہٹا اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا، بعد اس کے جب ہوش اس کے ٹھکانے آئے تو رام سنگھ کو اس کے باپ کے دھوکا دہی اور وعدہ خلافی پر برا بھلا کہا اور جل بھن کر بادشاہ کے ملازموں سے یہ درخواست پیش کی کہ اب مناسب یہ ہے کہ جیسے میری بات کو خاک میں ملایا ویسے ہی مجھ کو بھی خاک میں ملا دیں یعنی جب آبرو گئی تو جان کی کیا پرواہ رہے[۱]۔''

لین پول (Lane Pool) فرائر (Fryer) برنیر (Bernier) وغیرہ یورپین مصنفین نے بھی اسی کے قریب قریب لکھا ہے، بعض یورپین مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد عالم گیر نے شیواجی کو قید کر لیا اور اس پر پہرے بٹھا دیے۔

اس بحث کے تصفیہ میں امورِ ذیل تنقیح طلب ہیں:

۱- جو برتاؤ شیواجی کے ساتھ کیا گیا، کیا تحقیر اور اہانت کی غرض سے تھا؟

۲- کیا شیواجی قید کر لیا گیا تھا؟

---

[۱] الفنسٹن، تاریخ ہندوستان (اردو ترجمہ) ص ۱۰۵۲-1053، مطبوعہ علی گڑھ۔

۳- اگر شیواجی کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا تو کیا وہ مطیع بن جاتا؟

۴- اس واقعہ کے متعلق یورپین اور مسلمان مؤرخوں میں سے کس کی شہادت زیادہ معتبر ہے؟

اس امر کو سب مؤرخین تسلیم کرتے ہیں کہ شیواجی کی پیشوائی کے لیے رام سنگھ اور مخلص خاں بھیجے گئے تھے، رام سنگھ جے سنگھ کا بیٹا تھا، جو امرائے عالم گیری میں سب سے زیادہ ممتاز اور سپہ سالار لشکر تھا، رام سنگھ شاہ جہاں کے سنہ ۱۹ جلوس میں پانچ سو سواروں کے ساتھ دربار میں آیا تھا اور اس کو ہزاری منصب اور خلعت عطا ہوا تھا، سنہ ۲۷ جلوس شاہ جہانی میں اس کا منصب سہ و نیم ہزاری تک پہنچا، عالم گیر کے زمانہ میں وہ معتمد خاص رہا، یہاں تک کہ سلیمان شکوہ کے لانے کے لیے عالم گیر نے اسی کو راجہ جے سنگھ کا قائم مقام بنا کر بھیجا، شیواجی کی اطاعت کی جس دن خبر آئی، عالم گیر نے اس کو زیور مرصع ہاتھی اور خلعت عطا کیا[1]، چوں کہ شیواجی راجہ جے سنگھ کے توسط اور ضمانت سے دربار میں آیا تھا، اس لیے اس کے استقبال کے لیے رام سنگھ سے زیادہ کون موزوں ہوسکتا تھا، جو اپنے باپ کا فرزند رشید اور اس کا قائم مقام تھا، مخلص خاں اس کے ساتھ اس لیے بھیجا گیا تھا کہ یہ نہ خیال ہو کہ ہندوپن کے تعصب سے کوئی مسلمان درباری نہیں بھیجا گیا۔

الفنسٹن صاحب کی اس چالاکی کو دیکھو کہ استقبال کا اصلی ممبر مخلص خاں کو قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رام سنگھ اس کے ساتھ بھیج دیا گیا تھا، حالاں کہ تمام تاریخوں میں رام سنگھ کا نام مقدم رکھا گیا ہے۔

شیواجی کو جو منصب عطا ہوا وہ پنج ہزاری تھا، جس کو الفنسٹن صاحب اپنی کتاب کے نوٹ میں تیسرے درجے کا منصب قرار دیتے ہیں لیکن ہمارے نام ور مؤرخ کو یہ نہیں معلوم کہ خود راجہ جے سنگھ کا منصب اس وقت تک پنج ہزاری سے زیادہ نہ تھا، اس فتح عظیم

---

[1] رام سنگھ کا مفصل اور مستقل تذکرہ مآثر الامرا (ج ۲، ص ۲۶۶ و ۲۶۷) میں مذکور ہے۔

کے صلہ میں جب اس کے منصب پر دو ہزار کا اضافہ ہوا ہے تب جا کر وہ ہفت ہزاری ہوا ہے، عالم گیرنامہ میں ہے:

''نوزدہم ذی الحجہ کہ خبر فتح قلعہ پورندہر وکیفیت آمدن سیوا...... بہ سامع جاہ و جلال رسید...... دو ہزار سوار از تابیسانش دواسپہ سہ اسپہ مقرر فرمود کہ منصبش از اصل واضافہ ہفت ہزاری سوار دواسپہ سہ اسپہ باشد[1]''

راجہ جے سنگھ ریاست جے پور کا رئیس، دربار عالم گیری کا سب سے معزز سردار اور ان سب سے بڑھ کر سیوا جی کا فاتح اور سرشکن تھا، کیا ہمارے یورپین دوست یہ چاہتے ہیں کہ ایک مفتوح باغی ایک فاتح حکم راں کا ہم سر بنا دیا جاتا۔

راجہ جے سنگھ پر موقوف نہیں، خود وزیر اعظم فاضل خاں کا منصب پنج ہزاری سے زیادہ نہ تھا، اس سے بڑھ کر یہ کہ مہارانا اودے پور سے زیادہ ہندوستان میں کوئی راجہ معزز نہ تھا لیکن جب اس خاندان نے دربارِ شاہی سے ربط پیدا کیا تو جہاں گیر نے رانا کرن کو یہی پنج ہزاری منصب دیا، اس کے بعد شاہ جہاں نے ۱۰۳۸ھ میں رانا جگت سنگھ کو یہی منصب عطا کیا، اس کے بعد رانا راج سنگھ کو دربار عالم گیری سے یہی منصب عطا ہوا، چنانچہ رانا کرن کے تذکرہ میں مآثر الامرا کے مصنف (شاہ نواز خاں) نے یہ تمام واقعات درج کیے ہیں[2]، کیا شیوا جی اودے پور کے مہارانوں سے بھی زیادہ معزز درجہ رکھتا تھا، ان سب کے علاوہ خود شیوا جی کے باپ ساہو جی نے ۳ جلوس میں جب شاہ جہاں کے دربار میں رسائی حاصل کی ہے تو شاہ جہاں نے اس کو یہی پنج ہزاری منصب عطا کیا تھا[3]۔

شیوا جی کی اطاعت کا سلطنت پر کیا احسان تھا؟ شاہی فوجوں نے اس کے تمام علاقے فتح کر لیے تھے، وہ قلعہ میں چاروں طرف سے گھر چکا تھا، اس کے خاص صدر نشین قلعہ کے برجوں پر شاہی فوج کا پھریرا اڑ چکا تھا، ان مجبوریوں سے وہ ہتھیار رکھ کر غلاموں کی

---

[1] کاظم شیرازی، عالم گیرنامہ، ص ۹۰۷ [2] مآثر الامرا، ج ۲، ص ۲۰۷، ۲۰۸ [3] ایضاً، جلد دوم، ص ۳۴۳۔

طرح آیا اور دربار میں روانہ کیا گیا، تاہم اس کے استقبال کے لیے عالم گیر نے دربار میں سب سے زیادہ جو شخص موزوں ہو سکتا تھا، اس کو بھیجا، پنج ہزاری امرا کی صف میں، جو خود راجہ جے سنگھ کا منصب تھا، اس کو جگہ دی، اس سے زیادہ وہ اور کیا چاہتا تھا؟ کیا شہنشاہِ ہند ایک مفتوح رہزن کے لیے تخت سے اتر آتا، بلاشبہ یورپ اس قسم کی جھوٹی اور مکارانہ خوشامدوں کی مثالیں پیش کرتا ہے لیکن اسلام سے اس کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔

منصب کی بحث چھوڑ کر شیوا جی کا جو اعزاز کیا گیا، اس کی کیفیت عالم گیر نامہ کی عبارت ذیل سے معلوم ہوگی:

"چوں بہ بارگاہ خلافت رسیدہ کامیاب تقبیل سدۂ سینہ گردید بعد از تقدیم آداب ملازمت باشارہ والا بر بساط قرب و منزلت باریافت و در مقامی مناسب کہ جائے مقربان پیش گاہ دولت بودی با امرائے نامدار و نویناں رفیع مقدار دوش بہ دوش ایستاد[1]"

جس کتاب کی یہ عبارت ہے وہ خاص عالم گیر کے حکم سے روزنامچہ کے طور پر لکھی گئی ہے اور عالم گیر کو اس کا مسودہ دکھلا کر منظور کرالیا جاتا تھا، اس بنا پر یہ الفاظ گویا عالم گیر کی زبان کے ہیں، ان الفاظ میں صاف تصریح ہے کہ شیوا کو دربار میں وہ جگہ دی گئی جو مقربانِ دولت اور امرائے نام دار کی جگہ تھی، اگر عالم گیر شیوا جی کی تحقیر چاہتا تو اپنے روزنامچہ میں کیوں لکھواتا کہ اس کی توقیر اور عزت کی گئی، دربار میں جو کچھ ہوا وہ ایک وقتی کارروائی تھی، جو گھنٹہ دو گھنٹہ سے زیادہ نہیں رہ سکتی تھی لیکن تاریخ کی عمر قیامت کے دامن سے بندھی ہے، اس لیے اگر عالم گیر کو شیوا جی کی تحقیر مقصود ہوتی تو کیا وہ پسند کرتا کہ گھڑی دو گھڑی کے لیے اس کو ذلت دے اور قیامت تک کے لیے کی گئی توقیر اور عزت کا واقعہ تاریخ میں درج کرایا جائے۔

یورپین مؤرخوں کے علاوہ خافی خاں کا بیان ہے، جس نے ناراضی کے حسب ذیل اسباب بتائے ہیں:

---

[1] عالم گیر نامہ، ص ۹۶۸۔

۱- شیواجی کے بیٹے کو اس سے پہلے پنج ہزاری منصب عطا ہو چکا تھا، اس لیے باپ کی عزت بیٹے سے زیادہ ہونی چاہیے تھی۔

۲- جے سنگھ نے اس کو جو امیدیں دلائی تھیں، بادشاہ کی طرف سے اس کا اظہار نہیں ہوا۔

۳- اس کا استقبال اس شان سے نہیں ہوا جو اس کے خیال میں تھا۔

استقبال کے متعلق تو ہم پہلے لکھ چکے ہیں، باقی دو اعتراض توجہ کے قابل ہیں۔

اصل سوال یہ ہے کہ راجہ جے سنگھ نے شیوا کی نسبت کیا سفارش کی تھی، جس کی بنا پر شیوا نے دربار میں جانا منظور کیا تھا، عالم گیر نے اس سفارش کو منظور کیا یا نہیں اور جو امیدیں شیوا کو دلائی تھیں وہ عالم گیر کی طرف سے پوری کی گئیں یا نہیں۔

اس بات پر تمام مؤرخین متفق ہیں کہ جب شیوا دربار سے ناراض ہو کر چلا آیا تو عالم گیر نے حکم دیا کہ راجہ جے سنگھ کو کیفیت واقعہ سے اطلاع دی جائے، وہاں سے جو جواب آئے اس پر عمل کیا جائے، خود خافی خاں لکھتا ہے:

"حکم نمودند کہ حقیقت بہ راجہ جے سنگھ نوشتہ کار رسیدن جواب کہ آنچہ مصلحت صواب دید داند بہ عمل آید سیوا بہ مجرا نیاید[1]"

مآثر عالم گیری میں ہے:

"منشور متضمن ایں کیفیت بہ راجہ جے سنگھ اصدار یافت کہ انچہ صلاح داند معروض دارد تا بہ او معاملہ رود[2]"

جے سنگھ نے جو جواب بھیجا وہ صرف اس قدر تھا کہ اس کا جرم معاف کر دیا جائے، مآثر عالم گیری میں ہے:

"دریں اثنا عرض داشت راجہ جے سنگھ نیز رسید کہ بہ او عہد و قول درمیان آوردہ

---

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۱۹۱ [2] مآثر عالم گیری، ص ۵۵ و ۵۶، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۷۱ء۔

ام...... گذشتن از جرم آں مخذول بہ اکثر مصالح اقرب ست[۱]۔‘‘

چنانچہ اس عرضی کے آنے کے بعد شیوا کی نگرانی کا جو حکم تھا، اٹھالیا گیا اور وہ مطلق العنان کر دیا گیا۔

میں نے بنارس میں ایک مشہور کائستھ خاندان کے یہاں ایک قلمی بیاض دیکھی جس میں راجہ جے سنگھ کے وہ خطوط ہیں جو اس نے شیوا کے معاملات اور مہمات کے متعلق عالم گیر کو لکھے تھے، ایک خط خاص اس معاملہ کے متعلق ہے، یہ خط ایشیائی عام طریقہ کے موافق بہت لمبا چوڑا ہے لیکن تمام خط میں یہ کہیں نہیں کہ میں نے شیوا سے ہفت ہزاری منصب کا وعدہ کیا تھا، نہ اس قسم کی اور کوئی خواہش مذکور ہے، صرف اس قدر ہے کہ اس کی خاطر داری کی جائے۔

تمام موافق و مخالف مؤرخوں نے لکھا ہے کہ راجہ جے سنگھ نے سنبھا جی (فرزند شیوا جی) کے لیے پنج ہزاری منصب کی سفارش کی تھی، وہ منظور ہوئی، اسی طرح نیتو جی (شیوا جی کا داماد اور سر لشکر) کے متعلق پنج ہزاری کی سفارش، راجہ جے سنگھ نے کی اور منظور ہوئی۔

جب یہ مسلم ہے کہ جے سنگھ کی سفارش سنبھا جی وغیرہ کی نسبت پوری پوری منظور ہوئیں، جب یہ مسلم ہے کہ کوئی مؤرخ کنایۃً بھی یہ دعوی نہیں کرتا کہ جے سنگھ نے شیوا جی کے لیے ہفت ہزاری وغیرہ منصب کی سفارش کی تھی، جب یہ مسلم ہے کہ اس واقعہ کے بعد جب عالم گیر نے جے سنگھ سے حقیقت حال اور صلاح پوچھی تو اس نے صرف عفو تقصیر اور استمالت کی درخواست کی تو بداہۃً ثابت ہے کہ شیوا جی سے ہفت ہزاری وغیرہ کا کوئی وعدہ نہیں کیا گیا اور نہ کوئی امر، وعدہ کے خلاف عمل میں آیا، اسی بنا پر جے سنگھ نے صرف یہ درخواست کی کہ شیوا جی کی گستاخی جو اس سے دربار میں سرزد ہوئی، معاف کر دی جائے، چنانچہ کوتوال کو جو حکم دیا گیا تھا کہ شیوا کی نگرانی رکھی جائے، وہ اٹھالیا گیا۔

---

[۱] مآثر عالم گیری، ص ۵۵ و ۵۶، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۷۱ء۔

خافی خاں کا یہ اعتراض کہ سنبھاجی کو جو منصب عطا ہوا تھا، شیوا کو اس سے زیادہ ہونا چاہیے تھا، بظاہر لگتی ہوئی بات ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ دربارِ تیموری میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ باپ بیٹے کو ایک درجہ کا منصب عطا کیا جاتا تھا، اس لیے شیواجی کو بھی پہلے پہل یہی منصب دیا جاسکتا تھا، جن لوگوں کو ہفت ہزاری اور دہ ہزاری منصب ملے ہیں، سب ترقی کرتے کرتے اس درجہ تک پہنچے ہیں، یہ قاعدہ کلیہ شیواجی کے لیے توڑا نہیں جاسکتا تھا۔

یورپین مؤرخین کا یہ دعویٰ کہ اگر شیواجی سے اچھا برتاؤ کیا جاتا تو وہ حلقہ بگوش بن جاتا، کسی قدر تاریخی شہادتوں کے خلاف ہے، شیوا کی تمام زندگی میں پابندی عہد کا کون سا واقعہ ہے؟ افضل خاں کا دغابازانہ قتل، بیجاپور اور گولکنڈہ کے ساتھ مکارانہ سازشیں، شہروں اور قصبوں پر غفلت اور بے خبری میں چھاپے مارنا، کیا ان واقعات سے اس قسم کے نتائج کی امید ہوسکتی ہے: ع

شدم آگاہ زود از خوئے آں بے داد گر وحشی
اگر بعد از وفا ایں کار ہا کردے چہ می کردم

پچھلے بیانات سے اس قدر تو قطعاً ثابت ہو چکا ہے کہ مرہٹوں کو عالم گیر نے نہیں چھیڑا تھا، بلکہ شاہ جہاں کے زمانہ میں وہ اس قدر قوت پکڑ چکے تھے کہ شاہ جہاں کو اپنی تمام قوت ان کے مقابلہ میں صرف کردینی پڑی تھی اور اس نے اس مہم کے سر کرنے کے لیے خود دکن کا سفر کیا تھا، یہ بھی واضح ہو چکا کہ عالم گیر کی فوج نے شیوا کو اس قدر دست پاچہ کردیا تھا کہ وہ ہتھیار کے بغیر سپہ سالار کے پاس حاضر ہوگیا، یہ امر بھی تمام تاریخی شہادتوں سے فیصل ہو چکا کہ عالم گیر نے شیوا کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ کسی طرح شیوا کے مرتبہ اور شان کے خلاف نہ تھا، اب گفتگو اس میں ہے کہ کیا شیوا نے اپنی قوت قائم کرلی اور اخیر تک وہ عالم گیر کا حریف مقابل رہا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے جانشینوں نے عالم گیر کی سلطنت کا سارا انظام درہم برہم کردیا۔

تمام یورپین مؤرخین کا بیان ہے کہ عالم گیر مرہٹوں کے مقابلہ سے بالکل عاجز آ گیا تھا، یہاں تک کہ اسی نے مرہٹوں کو چوتھ یعنی دکن کے چھ صوبوں کی چوتھائی آمدنی دینی منظور کر لی، الفنسٹن صاحب اگرچہ چوتھ دینے کے واقعہ سے متفکر ہیں، تاہم لکھتے ہیں کہ:

"اورنگ زیب کے سرداروں کے تغیر وتبدل سے شیواجی کو بہت بڑا فائدہ حاصل ہوا، اس لیے کہ راجہ جسونت سنگھ، شاہزادہ معظم کی طبیعت پر حاوی اور بادشاہ کی نسبت ہندوؤں کا زیادہ خیر خواہ تھا، علاوہ اس کے لوگوں کو یہ بھی یقین کامل تھا کہ وہ لوبھی لالچی ہے اور روپیہ کی بات تھوڑی بہت مانتا ہے، غرضے کہ ان وسیلوں سے شیواجی نے رفیق اس کو بنایا اور نتیجہ یہ مترتب ہوا کہ اس کی اور شہزادہ معظم کی تائید واعانت سے ایسی عمدہ عمدہ شرطوں پر بادشاہ سے آشتی کی کہ وہ اس کی توقع سے خارج تھیں، چنانچہ بہت سا ملک اس کا اس کو واپس مل گیا اور صوبہ برار میں اس کو جاگیر عنایت کی گئی اور راجائی کا خطاب اس کا تسلیم کیا گیا اور سارے قصوروں سے چشم پوشی برتی گئی[1]۔"

مفصل بحثوں سے پہلے ہم دکھلاتے ہیں کہ یورپین مؤرخ کس طرح واقعہ کی اصلی حیثیت بدل کر دوسرے قالب میں اس کو ڈھال لیتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب شیوا بھاگ کر دکن پہنچا اور ۱۰ سنہ جلوس میں معظم شاہ بہ ہمراہی جسونت سنگھ دکن کی صوبہ داری پر مامور ہوا تو شیواجی نے جسونت سنگھ کے نام پیغام بھیجا کہ میں اپنے بیٹے سنبھا جی کو بھیجتا ہوں، اس کو فوج میں کوئی عہدہ عنایت کیا جائے، جسونت سنگھ نے یہ درخواست منظور کی، شیواجی نے سنبھا کو ایک ہزار فوج کے ساتھ شاہزادہ معظم کی خدمت میں بھیجا، چوں کہ سنبھا جی کو پہلے بھی پنج ہزاری منصب عالم گیر کے دربار سے مل چکا تھا اور شیواجی کے نظر بند ہونے کی حالت میں بھی وہ دربار کی حاضری سے روکا نہیں گیا تھا، بلکہ روزانہ حاضر ہو کر مجرا بجالاتا تھا، اس لیے معظم شاہ نے سنبھا کو پنج ہزاری منصب عنایت کیا

---

[1] الفنسٹن، ص ۱۰۵۷، مطبوعہ علی گڑھ۔

اور صوبہ برار میں اس کو جاگیر عنایت کی، مآثر الامرا میں ہے:

بعد رسیدن بادشاہ زادہ بمہاراجہ جسونت سنگھ پیغام کرد کہ سنبھا پسر خود را می فرستم بمنصب سرفراز شود و با جمعیت بکار ماموره پردازد و پس از پذیرا شدن ایں معنی پسر مزبور را با پرتاپ راؤ نامی کار پرداز و جمعیت یک ہزار سوار فرستادہ بعد ملازمت بہ منصب پنج ہزاری پنج ہزاری سوار و عطائے فیل با براق مرصع و تیول درصوبہ برار و غیرہ سربلندی یافت[1]

بادشاہ زادہ کے پہنچنے کے بعد مہاراجہ جسونت سنگھ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں اپنے لڑکے سنبھا کو بھیجتا ہوں، اس کو منصب پر سرفراز کیا جائے تا کہ فوج کے ساتھ مقررہ کام پر بھیج دیا جائے، اس درخواست کے منظور ہونے کے بعد پسر مذکورہ (سنبھا) کو پرتاپ راؤ کا پرداز اور ایک ہزار سوار فوج کے ساتھ بھیج دیا، سرکار شاہی میں حاضر ہونے کے بعد پنج ہزاری منصب اور پانچ ہزار سوار، جڑاؤ ساز و سامان کے ساتھ ہاتھی اور صوبہ برار میں جاگیر وغیرہ پاکر سرفراز ہوا۔

یہی عبارت ہے کہ جس سے الفنسٹن صاحب نے واقعات مذکورہ بالا اخذ کیے ہیں لیکن اس میں کس رنگ آمیزی سے کام لیا ہے، شیوا جی نے اطاعت کی درخواست کی اور بیٹے کو ملازمت میں بھیجا، درخواست منظور ہوئی اور عہدہ بحال ہوا، عہدے کی بحالی اور جاگیر کا عنایت ہونا دربار کی معمولی باتیں تھیں، سیکڑوں عہدے دار جرم کرتے تھے، برطرف ہوتے تھے، پھر معافی مانگ کر بحال ہوتے تھے اور ان کے منصب و جاگیر واپس ملتے تھے، اس میں غیر معمولی اور غیر متوقع کیا بات تھی؟ لیکن الفنسٹن صاحب فرماتے ہیں کہ ''ایسی ایسی عمدہ شرطوں پر بادشاہ سے آشتی کی کہ وہ اس کی توقع سے خارج تھیں، یہ غیر متوقع شرطیں کیا تھیں، وہی عہدے کی بحالی اور جاگیر، راجائی کے خطاب کا مآثر الامرا میں ذکر نہیں لیکن ہوتا بھی تو کیا؟ راجائی کا خطاب دربار میں چھوٹے چھوٹے عہدے داروں تک کو ملتا تھا،

[1] مآثر الامرا، ج ۲، ص ۳۴۸۔

سنبھاجی کو بھی یہی خطاب ملا تھا لیکن الفنسٹن صاحب اسی خطاب کو اس حیثیت سے ظاہر کرتے ہیں گویا سنبھاجی رئیس خود مختار تسلیم کیا گیا، ان سب کے علاوہ راجائی کا خطاب سنبھاجی کو عطا ہوا تھا، الفنسٹن صاحب اس کو شیواجی کی طرف منسوب کرتے ہیں، سنبھاجی کو صرف جاگیر عطا ہوئی تھی جو معمولاً عہدے داروں کو عطا ہوا کرتی تھی، الفنسٹن صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا ملک اس کو واپس ہوا، گویا عالم گیر نے اس کا صاحب ملک ہونا تسلیم کر لیا تھا، غور کرو ایک ذرا سی عبارت کے مطلب میں الفنسٹن صاحب نے کس قدر تصرفات کیے اور کس قدر توبرتو تحریفات۔

چوتھ کا یہ واقعہ ہے کہ دکن میں ایک مدت سے یہ قاعدہ چلا آتا تھا اور زمانہ حال تک باقی تھا کہ تحصیل دار کا کلکٹر کے بجائے دیس مکھ ہوتے تھے، یہ مال گزاری وصول کر کے سرکار میں داخل کرتے تھے اور ان کو رقم موصولہ کا دسواں حصہ یا اس سے زائد ملتا تھا، شیواجی اور اس کے جانشین سنبھاجی اور رام راجہ جب مر گئے تو تارابائی نے، جو رام راجہ کی زوجہ اور نہایت بہادر اور صاحب حوصلہ تھی، مدت تک شورش اور فساد کا سلسلہ قائم رکھا لیکن بالآخر عاجز آ کر یہ درخواست کی کہ نو روپیہ فی صدی پر دیس مکھی کا منصب عطا کیا جائے لیکن عالم گیر نے منظور نہ کیا، خافی خاں لکھتا ہے:

''دراواخر عہد خلد مکاں (عالم گیر) ہر چند وکلائے تارابائی رانی کہ زن رام راجہ باشد و بعد فوت شوہر تا دہ دوازدہ سال دم مخالفت با بادشاہ می زد التماس مصالحہ بشرط عطا نمودن سر دیس مکھی شش صوبہ دکن بدستور سر صدنہ روپیہ رجوع آوردہ بود بادشاہ مغفور از غیرت اسلام و بہ میان آوردن بعض سبب...... قبول نہ نمود[1]''

الفنسٹن صاحب بھی باوجود سخت مخالفت کے تسلیم کرتے ہیں کہ عالم گیر نے مرہٹوں کو چوتھ وغیرہ دینا منظور نہیں کیا، چنانچہ لکھتے ہیں:

---

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۷۸۳۔

''اب بادشاہ کا حال ایسا پتلا ہو گیا تھا کہ کام بخش کے سمجھانے بجھانے سے آشتی کا خواہاں ہوا، یہاں تک کہ اگر مرہٹوں کی بے ہودہ درخواستوں اور ناشائستہ حرکتوں سے آشتی کی لکھا پڑھی منقطع نہ ہوتی تو گمان غالب تھا کہ وہ ساہو کو قید سے رہائی بخشتا اور دکن کے محاصل سے فی صدی سالانہ ایسی طرح عنایت کرتا کہ اس کی بات کو بٹہ نہ لگتا[1]''

عالم گیر کے بعد ۱۱۱۹ھ میں بہ زمانہ بہادر شاہ، راجہ ساہو کے وکیل نے ذوالفقار خاں کے ذریعہ سے سردیس مکھی کی سند کی درخواست کی، بہادر شاہ نے منظور بھی کر لیا لیکن خود مرہٹوں کی آپسی نا اتفاقی کی وجہ سے ملتوی رہ گئی[2]، مولوی غلام علی آزاد نے خزانۂ عامرہ میں غلطی سے لکھ دیا ہے کہ عالم گیر نے سند لکھ دی تھی لیکن پھر اس کی رائے پھر گئی، آزاد کی عبارت یہ ہے:

''آخر رائے بادشاہ برگشت و سیر ملنگ را کہ ہنوز اسناد حوالہ غنیم (مرہٹہ) نہ کردہ بود بہ حضور طلبید[3]''

آزاد کا بیان اگرچہ تمام مؤرخوں کے خلاف ہے، تاہم اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ بالآخر عالم گیر نے مرہٹوں کی درخواست منظور نہیں کی، ان شہادتوں کے مقابلہ میں یورپین مؤرخوں کا یہ بیان کس قدر تعجب انگیز ہے؟ لیکن اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو سردیس مکھی کا عہدہ رعایا اور ماتحتوں کو دیا جاتا ہے، بالکل اس طرح جس طرح یہاں انگریزی گورنمنٹ سے پہلے چودھری اور مکھیا ہوتے تھے، آج بھی دکن میں سیکڑوں دیس مکھ موجود ہیں لیکن یورپین مؤرخوں نے اس کی تعبیر اس طرح کی کہ آج تمام جدید تعلیم یافتہ یہ سمجھتے ہیں کہ عالم گیر نے دب کر بہ طور خراج یا ٹیکس کے مرہٹوں کو یہ رقم دینی منظور کر لی تھی، ان واقعات سے قیاس ہو سکتا ہے کہ صرف ایک لفظ کے مفہوم بدل دینے سے تاریخ کا رخ کس طرح بدل جاتا ہے۔

---

[1] الفنسٹن، ص ۱۱۲۶ [2] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۶۲۶ – ۶۲۷ [3] غلام علی آزاد بلگرامی، خزانہ عامرہ، ص ۴۱، مطبوعہ نول کشور۔

چوتھ یا دیس مکھی کا منظور کرنا تو محض افترا ہے، تاہم اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہیں ہوتا، مخالف کہہ سکتا ہے اور کہتا ہے کہ گو عالم گیر نے کوئی رقم دینی منظور نہ کی ہو لیکن مرہٹوں نے اس کی سلطنت کے ارکان متزلزل کر دیے تھے، الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں:

''جوں جوں کہ مرہٹے لوگ اورنگ زیب کی فوجِ اکبر کے قریب آتے گئے، اسی قدر ان کی مشکلات زیادہ ہوتی گئیں، یہاں تک کہ کبھی کبھی دامن لشکر تک لوٹتے مارتے آتے تھے اور رسدوں کو کاٹتے تھے اور مویشیوں کو سامنے سے اٹھالے جاتے تھے اور چرکٹوں کو مار ڈالتے تھے،......اور پہرہ چوکی والوں سے نوک جھونک کر جاتے تھے اور ایسا تنگ پکڑا تھا کہ جب تک قوی محافظوں کا گروہ ہم راہ نہ ہوتا تب تک اکیلا دوکیلا چھاؤنی سے باہر نہیں جا سکتا تھا اور اگر کوئی معمولی ٹکڑا فوج کا ان کی دوت دبک کے لیے روانہ کیا جاتا تھا تو وہ لوگ اس ٹکڑے کو مار پیٹ کر بھگاتے تھے یا بالکل تباہ کر دیتے تھے،......عالم گیر کا پچھلا جنگی کام یہ تھا کہ اس نے احمد نگر کو لوٹا اور لوٹنے کا حال اس کے ہارے تھکے مویشیوں اور ٹوٹی پھوٹی فوج سے سمجھا جا سکتا ہے، چنانچہ لشکر کی بھیڑ بھاڑ افسردگی و پژمردگی اور بے انتظامی سے پیچھے کو لوٹتی تھی اور بندوقچیوں کی متواتر گولی چلانے سے کان ان کے بہرے ہو گئے تھے اور بھالے والوں کے دھاؤں اور للکاروں سے بہت گھبرا گئے تھے اور ہر وقت ان کو یہی کھٹکا رہتا تھا کہ اب مرہٹوں کی جانب سے ایک عام دھاوا ہوگا اور ہماری تباہی و بربادی کمال کو پہنچے گی[۱]۔''

ان واقعات کے طے کرنے کے لیے ہم کو پہلے شیواجی اور اس کے جانشینوں کی مختصر تاریخ پیش نظر رکھنی چاہیے۔

شیواجی جب اکبر آباد سے نکل کر دکن پہنچا تو ریاست گولکنڈہ کی اعانت سے شاہی علاقوں پر غارت گری شروع کی اور متعدد قلعوں پر قابض ہو گیا، عالم گیر نے اس کی تنبیہ کے لیے وقتاً فوقتاً فوجیں متعین کیں جو کبھی فتح پاتی تھیں اور کبھی شکست کھاتی تھیں، بالآخر ۲۳

۱؎ الفنسٹن، ص ۱۱۲۵ تا ۱۱۲۷۔

جلوس مطابق ۱۰۹۰ھ میں شیوا نے وفات پائی[۱]، شیوا کے بعد اس کا بیٹا سنبھا جی جانشین ہوا، اس نے برہان پور پر دفعتاً حملہ کر کے نہایت سفاکی اور بے دردی سے تمام شہر کو لوٹا اور شہر میں آگ لگا دی، علما اور مشائخ برہان پور نے ایک محضر تیار کر کے عالم گیر کے پاس بھیجا کہ یہ ملک اب دار الحرب ہو گیا اور اب یہاں جمعہ اور جماعت جائز نہیں۔

عالم گیر نے اب تک مرہٹوں کی شرارتوں پر چنداں توجہ نہیں کی تھی لیکن اس واقعہ نے اس کو متاثر کیا اور محضر کے جواب میں لکھا کہ میں خود آتا ہوں، ۲۵ سنہ جلوس میں وہ دکن کو روانہ ہوا، اورنگ آباد میں قیام کر کے اپنے بڑے بیٹے معظم شاہ کو مرہٹوں کے استیصال کے لیے روانہ کیا، معظم شاہ کوکن کے تمام علاقوں کو پامال کرتا ہوا انتہائے حد تک پہنچ گیا لیکن آب و ہوا کی ردائت اور رسد کی نایابی کی وجہ سے ہزاروں آدمی اور مویشی تباہ ہو گئے اور بالآخر عالم گیر نے اس کو واپس بلا لیا، اس کے بعد وقتاً فوقتاً فوجیں متعین ہوتی رہیں لیکن چوں کہ سنبھا جی کو بیجاپور اور حیدر آباد سے مدد ملتی رہتی تھی، اس لیے کامیابی نہیں ہوتی تھی، عالم گیرؒ نے مرہٹوں کی طرف سے توجہ ہٹا کر حیدر آباد کی طرف رخ کیا اور اس کو فتح کر کے ممالک مقبوضہ میں داخل کر لیا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر ۳۲ سنہ جلوس مطابق ۱۱۰۱ھ میں مقرب خاں کو سنبھا کے استیصال کے لیے روانہ کیا، مقرب خاں نے کولا پور میں پہنچ کر مقام کیا، یہاں اس کو خبر لگی کی سنبھا دو تین ہزار سواروں کے ساتھ سنگ میز میں مقیم ہے، اگر چہ یہ مقام کولا پور سے ۴۵ کوس کے فاصلہ پر تھا اور راستہ اس قدر دشوار گزار تھا کہ جابجا مقرب خاں کو گھوڑے سے اتر کر پیادہ چلنا پڑتا تھا، تاہم اس تیزی سے یلغار کرتا ہوا پہنچا کہ سنبھا خبردار بھی نہ ہونے پایا اور مقرب خاں نے اس کو جا لیا، چوں کہ مقرب خاں کے ساتھ صرف دو تین سو سوار تھے، سنبھا نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور مع اہل وعیال کے زندہ گرفتار ہوا، چوں کہ سنبھا سخت سفاک اور ظالم

---

[۱] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۲۷۱۔

تھا اور نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی اس کی سفاکیوں اور بے رحمانہ غارت گریوں سے نالاں تھے، جب اس کی گرفتاری کی خبر مشہور ہوئی تو تمام ملک میں خوشی کے غلغلے بلند ہوئے، جب وہ پابہ زنجیر عالم گیر کے دربار میں روانہ کیا گیا تو راہ میں جدھر گزر ہوتا تھا شریف عورتیں تک گھروں سے نکل آتی تھیں اور خوشیاں کرتی تھیں، خافی خاں لکھتا ہے:

"از زنان مستوران گرفتہ تا مردان دست و پا باختہ از خوش وقتی ایں خبر خواب نہ نمودہ تا دو منزل بہ تماشا برآمدہ، شکر گویان استقبال نمودہ بودند در ہر قصبہ و دیہات سر راہ اطراف ہر جا خبرمی رسید دہل شادی نواختہ می گدید و ہر جا گزرمی نمودند در و بام پر از زن و مرد گشتہ شادی کناں تماشامی کردند[1]"

غرض سنبھا عالم گیر کے دربار میں حاضر کیا گیا اور چوں کہ اس نے رودررو عالم گیر کو سخت گالیاں دیں عالم گیر نے اس کی زبان کاٹنے کا حکم دیا، پھر آنکھیں نکلوا کر قتل کر دیا گیا، اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عالم گیر کی پچاس برس کی حکومت کا صرف یہ ایک مستثنیٰ واقعہ ہے ورنہ اس نے کبھی کسی کو اس قسم کی وحشیانہ سزا نہیں دی۔

سنبھا کے ساتھ اس کا بیٹا ساہو اور اس کی ماں بھی گرفتار ہوئی تھی، عالم گیر نے اس موقع پر ایسی فیاض دلی اور وسعت حوصلہ سے کام لیا جس کی نظیر تاریخوں میں بہت کم مل سکتی تھی، اس نے ساہو کو، جو آٹھ برس کا لڑکا تھا، ہفت ہزاری کا منصب اور راجہ کا خطاب دیا اور اس کی سرکار قائم کر کے دیوان اور بخشی مقرر کیے اور حکم دیا کہ اس کا خیمہ ہمیشہ شاہی خیمہ کے ساتھ ایستادہ کیا جائے، اس کے چھوٹے بھائیوں یعنی مدن سنگھ اور اودھو سنگھ کی بھی اسی طرح قدر افزائی کی۔

بے شبہ یہ بڑی فیاضی کا کام تھا لیکن دور اندیشی سے دور تھا، خافی خاں نے سچ لکھا کہ یہ "مار کشتن و بچہ مار نگہ داشتن" تھا[2]۔

---

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۳۸۷ [2] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۳۸۶۔

ہندوؤں کے مذہب میں قید کی حالت میں کھانا نہیں کھاتے، اس بنا پر ساہو صرف مٹھائی اور میوجات پر بسر کرتا تھا، عالم گیر کو یہ معلوم ہوا تو حمید الدین خاں کو بھیجا کہ جا کر ساہو سے کہو کہ تم قید میں نہیں بلکہ اپنے گھر میں ہو، اس لیے تم کو بے تکلف کھانا چاہیے[1]۔

عالم گیر کو اس کے مخالف متعصب اور تنگ دل کہتے ہیں لیکن اگر تعصب اسی کا نام ہے تو ہزاروں بے تعصبیاں اس پر نثار کر دینی چاہئیں، عالم گیر کا برتاؤ اخیر تک ساہو کے ساتھ مربیانہ اور فیاضانہ رہا، چنانچہ عالم گیر کے مرنے کے بعد گو ساہو نے خود مختاری کا علم بلند کیا لیکن عالم گیر کے احسانوں کا پھر بھی اتنا اس کو پاس تھا کہ سب سے پہلے اس نے عالم گیر کی قبر کی جا کر زیارت کی[2]۔

سنبھا کے مرنے کے بعد اس کا بھائی رام راجہ اس کا جانشین ہوا اور متعدد موقعوں پر شاہی فوجوں کو سخت شکستیں دیں، اس کی فوج کے دو بڑے سردار سنتا اور دھنا جو دس دس بارہ بارہ ہزار جمعیت کے ساتھ تمام ملک کو لوٹتے پھرتے تھے اور ان کا اس قدر رعب چھا گیا تھا کہ بادشاہی افسران کے مقابلہ سے جی چرانے لگے تھے۔

مخالفوں نے ان واقعات کو بڑے آب و رنگ سے بیان کیا ہے، لیکن بہر حال نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۱۰۶ھ میں سنتا مقتول ہوا اور رام راجہ جو اپنے مقبوضہ مقامات سے بھاگ کر آوارہ گرد برار کے علاقہ میں قصبات اور دیہات کو لوٹتا پھرتا تھا، ۱۱۱۰ھ میں مر گیا، رام راجہ کے بعد اس کی بیوی تارابائی نے مرہٹوں کی سرداری حاصل کی اور رام راجہ کی طرح اس نے بھی عالم گیر کو مدتوں پریشان رکھا۔

اب عالم گیر نے قطعی ارادہ کیا کہ مرہٹوں کا بالکل استیصال کر دے، اس کے لیے سب سے مقدم امر یہ تھا کہ مرہٹوں کے قلعے، جو ان کے جائے پناہ تھے، فتح کر لیے جائیں، یہ قلعے ایسے محفوظ، بلند، مستحکم اور چاروں طرف سے غاروں اور خندقوں سے گھرے ہوئے

۱؎ مآثر عالم گیری، ص ۴۳۳۔ ۲؎ مآثر الامرا، ج ۲، ص ۳۵۱۔

تھے کہ ان کا فتح کرنا آدمی کا کام نہ تھا، بعض بعض دو دو میل کی بلندی پر واقع تھے، راج گڑھ کا قلعہ، جو شیوا جی کا گویا پایہ تخت تھا، اس کا دور بارہ میل کا تھا، راستے اس قدر دشوار گزار تھے کہ کئی کئی دن کے متواتر سفر میں ایک ایک کوس طے ہوتا تھا، لین پول صاحب مصائب راہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''کوچ کی حالت میں ناممکن العبور دریاؤں، سیلابی وادیوں پر خلاب نالوں اور تنگ راستوں نے کس قدر تکلیفیں دی ہوں گی، جہاں سامان رسد مہیا نہ ہوتا تھا اس کو ٹھہر جانا ہوتا تھا اور چارہ گھاس کے نہ ملنے سے جانوران بار برداری کی یہ حالت ہو جاتی تھی کہ فوج بے دست و پا ہو جاتی تھی، برسات کے سوا گرمیوں میں منزلوں کی سختی، خیموں کی اذیت اور پانی نہ ملنے کی مصیبت بیان سے باہر ہے۔''

عالم گیر کی عمر اس وقت ۸۲ برس کی ہو چکی تھی، تاہم اس جواں ہمت بادشاہ نے بذاتِ خود اس مہم کی کمان لی اور بالآخر تمام قلعے ایک ایک کر کے فتح کر لیے، الفنسٹن صاحب نہایت ناگواری اور مجبوری سے شہادت دیتے ہیں:

''اورنگ زیب اپنی چال چل گیا، یہاں تک کہ اگلے چار پانچ برس میں سارے بڑے بڑے قلعوں کو اپنے تصرف میں لایا، بہت سے محاصرے لمبے چوڑے اور خونوں کے پیاسے واقع ہوئے اور دونوں طرف سے طرح طرح کی تدبیریں اور بھانت بھانت کی فطرتیں برتی گئیں مگر وہ تدبیریں ایسی متواتر مرۃ بعد اخری واقع ہوئیں کہ تفصیل ان کی بغایت مشکل بلکہ غیر ممکن ہے، ہاں انجام ان کا یہ ہوا کہ وہ قلعے مذکورہ بالا فتح ہو گئے[1]۔''

غرض ۱۱۱۷ھ مطابق ۴۹ سنہ جلوس یعنی عالم گیر کی وفات سے دو برس قبل مرہٹوں کے تمام قلعے اور محفوظ مقامات فتح ہو گئے اور عالم گیر نے دیوا پور میں، جو دریائے کرشنا کے قریب ہے، قیام کر کے حسین قلیچ خاں کو اس کام پر معین کیا کہ تمام ملک میں امن و امان کی

---

[1] الفنسٹن، ص ۱۱۷۔

منادی کرادے اور رعایا کو ترغیب دی جائے کہ اپنے اپنے گھر پر آباد ہو جائیں[1]، مرہٹے اب بالکل بے خانماں ہو گئے تھے اور خانہ بدوش ہو کر ادھر ادھر قزاقوں اور ڈاکوؤں کی طرح چھاپے مارتے پھرتے تھے، جب کوئی نیا ملک مفتوح ہوتا ہے تو مدت تک یہ حالت باقی رہتی ہے، برہما کو جب انگریزی گورنمنٹ نے فتح کیا تو باوجود اس کے کہ ان بے چاروں کے پاس جنگ کا کوئی سروسامان نہ تھا، تاہم کئی برس تک اس قسم کی برہمی قائم رہی، جس کے پاداش میں انگریزی فوجیں دیہات اور قصبات کو آگ لگاتی پھرتی تھیں، خود ہندوستان میں ابتدائی عمل داری میں مدتوں تک پنڈاری کئی کئی سو میل تک کے دھاوے کرتے پھرتے تھے اور اس وقت تک امن قائم نہ ہو سکا جب تک گورنمنٹ نے ان کو بڑی بڑی جائیدادیں دے کر راضی نہیں کیا۔

اس سے بڑھ کر تعصب اور ناانصافی کیا ہوگی کہ یورپین مؤرخ ان قزاقیوں کو اس صورت میں دکھاتے ہیں کہ تیموری سلطنت ایک مردہ لاش تھی جس کو مرہٹے چاروں طرف سے نوچنے لگے تھے، الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں:

"جوں جوں کہ مرہٹے لوگ اورنگ زیب کی فوجِ اکبر کے قریب آتے گئے، اسی قدر ان کی مشکلات زیادہ ہوتی گئیں، یہاں تک کہ کبھی کبھی دامن لشکر تک لوٹتے مارتے آتے تھے اور رسدوں کو کاٹتے تھے اور مویشیوں کو سامنے سے اٹھا لے جاتے تھے اور چرکٹوں کو مار ڈالتے تھے اور پہرہ چوکی والوں سے نوک جھونک کر جاتے تھے اور ایسا تنگ پکڑا تھا کہ جب تک قوی محافظوں کا گروہ ہم راہ نہ ہوتا تھا تب تک اکیلا دوکیلا چھاؤنی سے باہر نہ جا سکتا تھا، الخ[2]"

الفنسٹن صاحب نے گو مرہٹوں کی قوت اور عالم گیر کی بے بسی کو بڑے آب و رنگ سے دکھانا چاہا ہے لیکن مرہٹوں کے جو اوصاف بیان کیے گئے یعنی رسد پر ڈاکہ ڈالنا، مویشیوں کو اٹھالے جانا، پہرہ چوکی والوں کو چھیڑنا، چرکٹوں کو مار ڈالنا، یہ تو وہی ڈاکوؤں اور

[1] مآثر عالم گیری، ص ۵۰۷ [2] الفنسٹن، ص ۱۱۲۵-۱۱۲۶۔

ره زنوں کے اوصاف ہیں، آج اس قوت وتسلط پر سرحدی مقامات میں خود انگریزی گورنمنٹ کے ساتھ سرحدی قومیں اس قسم کی شرارتیں کرتی رہتی ہیں، کیا اس سے انگریزی گورنمنٹ کی کم زوری اور سرحدی قوموں کا تسلط اور استیلا ثابت کیا جاسکتا ہے۔

یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ کسی طاقت ور حکومت یا قوم کا استیصال دفعتاً نہیں ہوسکتا، اودے پور کی ریاست کو بابر نے شکست دی لیکن اکبر کے زمانہ میں اس کی وہی قوت موجود تھی، اکبر نے بڑے زور وشور سے حملہ کیا اور مہینوں کے محاصرے کے بعد اودے پور کو کامل طور سے فتح کرلیا، مہارانا نے بھاگ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لی، تاہم جہاں گیر کے زمانے میں اودے پور کا پھر وہی شباب تھا، اب شاہ جہاں ولی عہدی کی حالت میں گیا اور اس زور وشور سے لڑا کہ مہارانا نے سپر ڈال دی اور اپنے بیٹے کرن کو اظہارِ اطاعت کے لیے دربار میں بھیجا، کرن نے دربار میں آکر جہاں گیر کو سجدہ کیا لیکن جب شاہ جہاں خود تخت پر بیٹھا تو یہ جھکی ہوئی گردن پھر بلند تھی، شاہ جہاں نے دوبارہ یہ مہم سر کی لیکن عالم گیر کے زمانے میں اودے پور وہی اکبر کے زمانے کا اودے پور تھا، البتہ عالم گیر نے پے درپے حملوں سے اس کو بالکل تباہ کردیا اور پھر وہ کبھی سر نہ اٹھاسکا۔

مرہٹے شاہ جہاں کے زمانہ میں پوری قوت حاصل کرچکے تھے، دکن سے مدراس تک پھیل گئے تھے، سیکڑوں نہایت مضبوط اور سر بہ فلک قلعے ان کے قبضہ میں تھے، ان سب باتوں کے علاوہ ایک جدید زندہ قوم بن رہے تھے اور یہ ان کا عین عروج شباب تھا، اسی حالت میں عالم گیر کو ان سے مقابلہ کرنا پڑا، اب دیکھو نتیجہ کیا ہوا، یہ ہوا کہ عالم گیر کے جیتے جی شیوا مر گیا، سنبھا مارا گیا، رام راجہ آوارگی اور صحرانوردی کی نذر ہوا، سنتا کا سر کٹ کر دربار میں پہنچا، غرض علم برداران بغاوت ایک ایک کرکے مٹادیے گئے، تمام قلعہ جات پر قبضہ کرلیا گیا اور دکن سے لے کر مدراس تک سناٹا ہوگیا:

ہیچ خارے نیست کز خون شکارے سرخ نیست　　　آفتے بود آں شکار افگن کزیں صحرا گذشت

اب مرہٹے کوئی حکومت یا قوم نہ تھے، بلکہ خانہ بدوش رہ زن تھے جو ادھر ادھر آوارہ پھرتے تھے اور موقع پا کر چوری چھپے لوٹ مار کرتے رہتے تھے، عالم گیر اس کے بعد ہی دنیا سے اٹھ گیا، اب یہ اس کے جانشینوں کا کام تھا کہ ان اڑتے ہوئے ذروں کو بھی فنا کردیتے لیکن خوبی قسمت سے تیمور کی مسند معظم شاہ کے ہاتھ آئی اور بے داد مؤرخوں نے نالائق اخلاف کا الزام بلند پایہ اسلاف کے نامۂ اعمال میں لکھا، اس سے بڑھ کر کیا ناانصافی ہوسکتی ہے، اب یہ حالت ہے کہ اسکول کا ایک ایک بچہ جس کے منہ سے ابھی دودھ کی بو آتی ہے، عالم گیر پر نکتہ چینی کے لیے تیار ہے لیکن درحقیقت ان نادانوں کا قصور نہیں:

قلم از عشوہ نمائے است کہ من می دانم سر ایں فتنہ ز جائے است کہ من می دانم

اورنگ زیب عالم گیر
اور
ہندوؤں کی ناراضی

عالم گیر کی فردِ قرارداد جرم کا یہ چوتھا نمبر ہے لیکن یہ جرم بجائے خود متعدد جرائم کا مجموعہ ہے، یعنی:

۱- عالم گیر نے اپنے طرزِ عمل سے راج پوت رئیسوں کو جواب تک حکومت تیموری کے دست و بازو تھے، ناراض کر دیا۔

۲- عالم گیر نے عام ہندوؤں کو ناراض کر دیا۔

پہلے جرم کو لین پول صاحب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''وہی راج پوت جو اورنگ زیب کی آغازِ حکومت میں سلطنت مغلیہ کا داہنا بازو تھی، اب اس طرح علاحدہ ہوئی کہ پھر ملنے کی توقع نہ رہی، جب تک اکبر کے تخت پر یہ بڑا دین دار متمکن رہا، اس کی حمایت و حفاظت میں ایک راج پوت نے بھی اپنی انگلی ہلانا نہ چاہی۔''

اس جرم کی تشریح لین پول صاحب نے اس طرح کی ہے:

''۱۶۶۸ء میں اورنگ زیب کے سب سے زیادہ دوست لیکن سب سے زیادہ زبردست راج پوت راجہ جے سنگھ نے انتقال کیا، دوسرا مشہور راج پوت جنرل جسونت سنگھ کابل

میں گورنری پر تھا اور اس کے مرنے کے دن قریب آرہے تھے، آخر کار اورنگ زیب آزاد ہو گیا کہ ہندوؤں کی پامالی کی حکمت عملی کو، جو ہر سچے مسلمان کا مقصد ہونا چاہیے، اختیار کرے، اس وقت تک ہندو کسی طرح ستائے نہیں گئے تھے اور نہ کوئی مذہبی روک ٹوک عمل میں آئی تھی لیکن اس میں شک نہیں کہ اورنگ زیب اپنے جوشِ اسلام کو دل ہی دل میں پرورش کر رہا تھا کہ بلا خوفِ نقصان کافروں کے مقابلہ میں اس کے اظہار کا وقت آئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۶۹ء میں یہ گھٹا اٹھی۔

اورنگ زیب نے ایک اور کوتاہ اندیش کارروائی جسونت سنگھ کے معاملہ میں کی، اس نے خواہش کی کہ جسونت سنگھ کے دونوں بیٹے تعلیم کے لیے دہلی بھیج دیے جائیں اور بے شک وہ اس کی نگرانی میں مسلمان کر لیے جاتے۔

راج پوتوں نے اس کی تعمیل نہ کی اور جب راج پوتوں نے سنا کہ اورنگ زیب نے وہی قدیم اسلامی ٹیکس یعنی جزیہ از سر نو ایک ہندو پر قائم کر دیا ہے تو ان کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔"

یورپین مؤرخوں کے اعتراضات (جیسا کہ آگے ثابت ہوگا) اگرچہ نہایت پادر ہوا ہوتے ہیں اور اس لیے ان کا جواب دینا نہایت آسان بات ہے لیکن با ایں ہمہ جواب دینے والا سخت مشکل میں پڑ جاتا ہے، یورپین مؤرخین ایک اعتراض کے بیان کرنے میں، جو خود غلط ہوتا ہے، پے در پے بہت سے جھوٹ ملاتے چلے جاتے ہیں، جواب دینے والا ایک جھوٹ کا جواب دینا چاہتا ہے تو سامنے ایک اور جھوٹ نظر آتا ہے، وہ ادھر متوجہ ہوتا ہے تو ایک اور جھوٹ نمایاں ہوتا ہے، مسلسل دروغ بیانی اور افتراؤں کے ہجوم پر بے اختیار اس کو طیش آجاتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ سکون اور اطمینان کے ساتھ اصل واقعہ کے انکشاف پر متوجہ ہو، غصہ سے بے قابو ہو جاتا ہے۔

خود مجھ پر یہی اثر پڑا ہے لیکن میں ان حریفوں کو یہ موقع نہیں دوں گا کہ وہ میرے

طیش و غضب سے فائدہ اٹھائیں، یورپین مورخین نے ہندوؤں کی ناراضی کے جو اسباب بتائے ہیں، ان میں خلط مبحث ہوگیا ہے یعنی مذہبی اور پولیٹکل (Political) باتیں مل جل گئی ہیں، اس لیے مسئلہ زیر بحث کی تحلیل اور تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ دونوں سے الگ الگ بحث کی جائے، پہلے ہم پولیٹکل اسباب سے شروع کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے زور و قوت کے تین مرکز تھے، جے پور، جودھ پور اور اودے پور، ان میں سے جے پور اور جودھ پور بالکل مطیع ہوگئے تھے لیکن اودے پور کی یہ حالت تھی کہ بابر سے لے کر شاہ جہاں کے زمانے تک حملہ کے وقت اس کی گردن جھک جاتی تھی لیکن جب حملہ آور چلے جاتے تھے تو پھر وہی سرکش کا سرکش بن جاتا تھا، شاہ جہاں نے جب بیماری کی حالت میں داراشکوہ کو ولی عہد بنا کر اس کو سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا تو اس زمانے میں جے پور اور جودھ پور کے جانشین راجہ جے سنگھ اور جسونت سنگھ تھے، عالم گیر جب دکن سے اکبرآباد کو چلا تو داراشکوہ کی طرف سے جسونت سنگھ ایک فوجِ گراں لیے ہوئے اجین میں پڑا تھا، عالم گیر نے نہایت الحاح سے کہلا بھیجا کہ میں صرف اعلیٰ حضرت کی عیادت کو جاتا ہوں، تم سد راہ نہ ہو لیکن جسونت سنگھ نے نہ مانا اور سخت معرکہ ہوا، جسونت سنگھ نے شکست کھائی اور بھاگ نکلا، عالم گیر پر جب چترِ حکومت سایہ فگن ہوا تو پہلے ہی سال جسونگ سنگھ نے عفو قصور کی سلسلہ جنبانی کی اور عالم گیر نے فیاض دلی سے معاف کر دیا، شجاع سے (عالم گیر کا بھائی) جب معرکہ پیش آیا تو عالم گیر نے جسونت سنگھ کو فوج جرار کا افسر مقرر کیا لیکن جسونت سنگھ نے پہلے سے مرزا شجاع سے سازش کر لی تھی، چنانچہ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے مقابل پڑی ہوئی تھیں تو جسونت سنگھ رات کے پچھلے پہر دفعتاً اپنی تمام فوج لے کر عالم گیر کی فوج سے نکل کر شجاع کی طرف چلا، اس کی فوج نے شاہی اسباب و خزانہ پر دست درازی کی اور اس قدر برہمی ہوئی کہ عالم گیر کی کل فوج میں سے نصف کے قریب جسونت سنگھ کے ساتھ ہو کر شجاع سے جا ملی، یہ ایسا نازک موقع تھا کہ اس کے سنبھالنے کے لیے صرف عالم گیر کا دل و دماغ درکار تھا، عالم گیر کے جبین استقلال پر شکن

تک نہیں پڑی اور اس بے سروسامانی پر بھی میدان اس کے ہاتھ رہا، چندروز کے بعد جسونت سنگھ کا جب کہیں ٹھکانہ نہ رہا تو پھر عفو کا خواست گار ہوا، عالم گیر نے پھر فیاض دلی سے کام لیا اور چوں کہ وہ شرم سے منھ دکھانا نہیں چاہتا تھا، عالم گیر نے غائبانہ اس کا منصب اور خطاب و جاگیر بحال کر کے احمد آباد کا صوبہ دار مقرر کر دیا اور وقتاً فوقتاً اس کو بڑی بڑی مہمات پر مامور کیا۔[1]

یہاں تک کہ دکن میں شیواجی کے مقابلہ پر بھیجا لیکن یہ غدار یہاں بھی اپنی فطری عادت سے باز نہ رہا، الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں:

''راجہ جسونت سنگھ شہزادہ معظم کی طبیعت پر حاوی اور بادشاہ کی نسبت ہندوؤں کا زیادہ خیر خواہ تھا، علاوہ اس کے لوگوں کو یہ بھی یقین کامل تھا کہ وہ لوبھی لالچی ہے اور روپیہ کی بات تھوڑی بہت مانتا ہے، غرضے کہ ان وسیلوں سے شیواجی نے اس کو اپنا رفیق بنایا[2]۔''

جسونت سنگھ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ راؤ بہاؤ سنگھ ہاڈا کو جو ریاست بوندی کا راجہ اور سہ ہزاری منصب رکھتا تھا اور اس مہم میں اس کا شریک تھا، اپنے ساتھ کرنا چاہا اور جب اس نے نمک حرامی سے انکار کیا تو اس کی بہن کو جو جسونت سنگھ کے عقد نکاح میں تھی، وطن سے بلوا کر بیچ میں ڈالا لیکن اس وفادار نے اب بھی حق نمک کو قرابت پر مقدم رکھا، مآثر الامرا میں راؤ بہاؤ سنگھ کے تذکرہ میں لکھا ہے:

چوں ہم شیرہ راؤ بہاؤ سنگھ بدست مہاراجہ (جسونت سنگھ) بود مہاراجہ زن خود را از وطن طلب داشتہ واسطہ نمود کہ باوے ساز موافقت کوک نماید اما راؤ بہاؤ سنگھ حق نمک مقدم داشتہ تن بموافقتش درنداد[3]۔

چوں کہ راؤ بہاؤ سنگھ کی بہن مہاراجہ کی بیوی تھی، اس لیے مہاراجہ نے اپنی بیوی کو وطن سے بلا کر اس کو وسیلہ بنایا کہ وہ (راؤ بہاؤ سنگھ) راجہ سے موافقت کرے لیکن راؤ بہاؤ سنگھ نے نمک حلالی کو مقدم سمجھا اور اس کی موافقت اختیار نہ کی۔

---

[1] یہ تمام حالات اگرچہ خافی خاں وغیرہ تمام تاریخوں میں ہیں لیکن مسلسل اور مفصل تذکرہ مآثر الامرا (ج سوم، ص ۵۹۹ تا ۶۰۴) میں ہے۔ [2] الفنسٹن، ص ۱۰۵۷، مآثر الامرا سے بھی اس بیان کی تائید ہوتی ہے۔ [3] مآثر الامرا، ج ۲، ص ۳۰۶۔

بالآخر جسونت سنگھ کابل کی مہم پر مامور ہوا اور ۲۲ھ جلوس عالم گیری میں قضا کر گیا، جسونت سنگھ جب مرا تو اس کی کوئی اولاد نہ تھی لیکن اس کے کارپردازوں نے دربار میں اطلاع دی کہ اس کی دو بیویوں کو حمل ہے، لاہور میں پہنچ کر ان لوگوں نے دربارِ شاہی میں رپورٹ کی کہ دونوں بیویوں سے دو لڑکے پیدا ہوئے، اس کے ساتھ درخواست کی کہ ان لڑکوں کو منصب اور ریاست اور خطاب عطا کیا جائے، عالم گیر نے فرمان بھیجا کہ دونوں کو دربار میں بھیج دو، جب وہ سن تمیز کو پہنچیں گے تو خطاب اور منصب عطا کیا جائے گا، مآثر عالم گیری میں ہے:

حکم اقدس اعلیٰ صادر شد کہ ہر دو پسر را بہ درگاہ سپہر بارگاہ بیارند و ہر گاہ پسراں بہ سن تمیز خواہند رسید بہ عنایت منصب راج نوازش خواہند یافت[1]۔	عالم گیر نے حکم دیا کہ راجہ کے دونوں فرزند آستانہ پر حاضر کیے جائیں، جب یہ بچے سن تمیز کو پہنچیں گے تو ان کو منصب اور راج مرحمت کیا جائے گا۔

تیموریوں کے دربار کا یہ ایک عام آئین تھا کہ جب کوئی بڑا عہدے دار چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جاتا تھا تو بادشاہ خود ان کو طلب کر کے اپنے دامن تربیت میں پالتا تھا اور شہزادوں کی طرح ان سے سلوک کیا جاتا تھا، اسی اصول کے موافق عالم گیر نے جسونت سنگھ کے بچوں کو طلب کیا تھا لیکن جسونت سنگھ کا جو طرزِ عمل ہمیشہ سے رہا اس کے افسروں پر بھی وہی رنگ چھا گیا تھا، چنانچہ انہوں نے شاہی حکم وصول ہونے کا انتظار بھی نہ کیا اور دلی کی طرف روانہ ہو گئے، دریائے اٹک پر میر بحر نے اس بنا پر روکا کہ پروانہ راہ داری دکھاؤ، اس پر آمادۂ جنگ ہوئے اور بہت سے آدمیوں کو قتل کر کے بزور دریا کے پار اترے، دار السلطنت کے قریب آئے تو ان کی گستاخانہ اور باغیانہ حرکات کی بنا پر عالم گیر نے حکم دیا کہ شہر سے باہر مقام کریں اور کوتوال کو حکم دیا کہ ایک جمعیت کے ساتھ ان کو نظر بند رکھے، چند روز کے بعد چند راج پوتوں نے وطن جانے کی اجازت طلب کی، عالم گیر نے منظوری دی، یہ فریب کار دھوکا دے کر

---

[1] مآثر عالم گیری، ص ۱۷۷۔

جسونت سنگھ کے بچوں کو چپکے چپکے اڑا لے گئے اور ان کی جگہ دو جعلی بچے چھوڑ گئے، چوں کہ یہ ایک اہم بحث طلب واقعہ ہے، جس پر آئندہ واقعات کی بنیاد قائم ہوتی ہے، اس لیے ہم مزید اعتبار کے لیے خافی خاں کی اصلی عبارت نقل کرتے ہیں:

"بعدہ ظاہر گردید کہ بعد فوت راجہ معتمدان جہالت کیش ہمراہ او ہر دو پسر خورد سال راجہ را کہ در آخر عمر ہماں دو فرزند باسم اجیت سنگھ و دولتھمن داشت مع رانی باہمراہ گرفتہ بے آنکہ انتظار حکم حضور کشند یا دستک و رضائے صوبہ دار حاصل نمایند روانہ حضور شدند، بعدہ کہ بہ معبر اٹک رسیدند و میر بحر بعلت عدم دستک مانع آمد با او بہ پرخاش پیش آمدہ کار بہ فساد و کشتن و زخمی ساختن میر بحر و جمعے رسانده بہ سر پنجگی عبور نمودند بعد از انکہ نزدیک دار الخلافہ رسیدند از انکہ از اداہائے خارج سابق جسونت غبار ملال در خاطر مبارک جا گرفتہ بود و ایں شوخی راج پوتیہ علاوہ آں گردید فرمودند کہ نزدیک شہر طرف بارہ پلہ فرود آرند و کوتوال را مامور ساختند کہ مردم خود را با جمعے از منصب داران و متعینہ توپ خانہ اطراف خیمہ ہائے وابستگان راجہ جوکی نشاندہ بہ طریق نظر بند نگاہ دارند[1] الخ۔"

جسونت سنگھ کے افسر جسونت سنگھ کے بچوں کو لے کر جودھ پور پہنچے اور مہارانا اودے پور نے ان کو اپنی حمایت میں لیا، عالم گیر نے مہارانا کو فرمان بھیجا کہ باغیوں کی حمایت سے دست بردار ہو جائے اور جسونت سنگھ کے بچوں کو حوالہ کر دے، مہارانا نے نہ مانا، اس پر عالم گیر نے جودھ پور پر فوجیں بھیجیں اور بالآخر مہاراجہ نے اطاعت قبول کی اور اقرار کیا کہ جسونت سنگھ کے بچوں کی اعانت نہ کرے گا لیکن مہارانا بہت جلد اس اقرار سے پھر گیا، اب عالم گیر نے اس کے انتقام کے لیے ہر طرف سے فوجیں طلب کیں اور اپنے چھوٹے بیٹے اکبر کو اس کا سپہ سالار مقرر کر کے اودے پور کی طرف روانہ کیا لیکن مہارانا نے یہ ترغیب دلا

---

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۲۵۹، اس کے بعد کا واقعہ چوں کہ چنداں اہم اور مختلف فیہ نہ تھا اس لیے ہم نے وہ عبارت نقل نہیں کی۔

کر کہ ہم آپ کو بادشاہ تسلیم کرلیں گے آپ خود تاج وتخت کا دعویٰ کیجیے، اکبر کو توڑ لیا، ناخلف شہزادہ کئی ہزار فوج لے کر خود عالم گیر کے مقابلہ کو بڑھا، عالم گیر کی رکاب میں اس وقت صرف ہزار سوار تھے لیکن اس کے استقلال میں فرق نہ آیا اور بالآخر اکبر شکست کھا کر بھاگ گیا۔

سلسلۂ بیان کی ترتیب اور تمام واقعات کی یک جائی پیش نظر ہونے کے لیے ہم نے واقعات کو سادہ طور سے لکھ دیا ہے، اب امورِ ذیل تنقیح طلب ہیں:

۱- کیا عالم گیر نے راج پوت ریاستوں کے ساتھ کوئی ناجائز سلوک کیا تھا، جس کی وجہ سے وہ بغاوت پر مجبور ہوئے؟

۲- کیا عالم گیر ان راج پوتوں کو زیر نہ کر سکا؟

۳- کیا راج پوت اس واقعہ کے بعد ہمیشہ کے لیے عالم گیر سے الگ ہو گئے؟

یورپین مؤرخین کی رائے کے موافق ان سوالوں کا اجمالی جواب یہ ہے کہ عالم گیر نے خود راج پوتوں کو چھیڑا اور ان کو بغاوت پر مجبور کیا اور پھر ان سے اچھی طرح عہدہ برآنہ ہو سکا اور راج پوت ہمیشہ کے لیے تیموری حکومت کے حلقہ اطاعت سے نکل گئے، اوپر یہ تفصیل گزر چکی کہ راج پوتوں کے تین مرکز تھے، ان میں سے جے پور تو ہمیشہ مطیع رہا، الفنسٹن صاحب بھی اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

> ''جب کہ راج پوت راجاؤں نے من جملہ اپنے گروہوں کے ایک راجہ کے گھرانے پر ایسا زور اور ظلم دیکھا اور جزیہ کی ناگواری اس پر زیادہ ہوئی تو سارے راج پوت آپس میں متفق ہو گئے اور راجہ رام سنگھ جے پور والا جس کے گھرانے کو بادشاہی خاندان سے رشتے ناتوں اور کئی پشتوں سے معزز عہدوں کی بدولت مضبوط واسطہ اور مستحکم علاقہ تھا، ان سے مستثنیٰ رہا[۱]۔''

اب صرف جودھ پور اور اودے پور رہ گئے، جودھ پور کا رئیس جسونت سنگھ تھا، اس نے

[۱] الفنسٹن، ص۲۷۰۱۔

عالم گیر کے ساتھ جو برتاؤ کیے یہ تھے کہ سب سے پہلے عالم گیر کے ساتھ برسر مقابلہ آیا، عالم گیر نے فتح پا کر اس کو معاف کر دیا اور فوج کا افسر مقرر کیا لیکن شجاع کی لڑائی میں نہایت غدارانہ طریقہ سے رات کو چھپ کر دشمن سے جاملا جس سے عالم گیر کی تمام فوج درہم برہم ہوگئی، عالم گیر نے پھر عفو سے کام لیا اور جاگیر و خطاب و منصب عطا کر کے دکن پر بھیجا، وہاں شیوا جی سے سازش کی، اب اس کے مرنے پر راج پوت عالم گیر سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کا ایک ماسہ بچہ والی ریاست بنا دیا جائے، عالم گیر جواب دیتا ہے کہ ان کو دربار میں بھیج دو، سن شعور کے بعد ان کو سب کچھ ملے گا، راج پوت جواب کا بھی انتظار نہیں کرتے اور دریائے اٹک پر شاہی عہدے داروں کو مارتے دھاڑتے دلی پہنچتے ہیں، عالم گیر ان کو نظر بند کرتا ہے، ان تمام واقعات[1] میں کون سی بات انصاف کے خلاف ہے؟

الفنسٹن صاحب فرماتے ہیں کہ ''جب راج پوت راجاؤں نے من جملہ اپنے گروہوں کے ایک راجہ کے گھرانے پر ایسا ظلم دیکھا'' آخر یہ کیا ظلم تھا؟ کیا جسونت سنگھ کے ساتھی راج پوتوں کا طرزِ عمل ایسا تھا کہ عالم گیر ان پر بالکل اعتماد کر لیتا، کیا صغیر السن بچوں کو درباروں میں بلانا کوئی ظلم کی بات تھی؟ کیا راج پوتوں کا بغیر شاہی اجازت کے دار السلطنت کا قصد کرنا عدول حکمی نہ تھی؟ کیا میر بحر کا ان کو روکنا میر بحر کے فرائض منصبی میں داخل نہ تھا؟ کیا میر بحر اور شاہی ملازموں سے مقابلہ کرنا اور ان کو قتل کرنا باغیانہ حرکت نہ تھی؟ کیا ان سب حرکات کے بعد ان کا نظر بند کیا جانا عدل و انصاف کے خلاف تھا؟

لین پول صاحب راج پوتوں کی عدول حکمی اور برہمی کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جسونت سنگھ کے بچوں کو عالم گیر مسلمان کر لیتا لیکن عالم گیر نے شیوا جی کے پوتے ساہو جی کو جب گرفتار کیا تو اس کی عمر سات برس کی تھی، عالم گیر نے خاص اپنی نگرانی میں رکھا، شاہی خیمہ کے برابر اس کا خیمہ کھڑا کرایا، اس کو ہفت ہزاری کا منصب اور خطاب نوبت و علم عطا کیا اور یہ

[1] تفصیل ان واقعات کی اوپر گزر چکی ہے۔

برتاؤ اخیر عمر تک قائم رکھا، باوجود اس کے اس کو کیوں مسلمان نہیں کیا؟ شیوا جی کا پوتا جسونت سنگھ کے بیٹوں سے زیادہ جبر و ظلم کا مستحق تھا۔

ایک اور وجہ لین پول صاحب یہ بیان کرتے ہیں کہ راج پوتوں کو جزیہ لگانے کی خبر پہنچ چکی تھی، اس لیے ان کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی، جزیہ کی بحث مذہبی امور کی بحث میں آئے گی، اس لیے ہم اس کو نہیں چھیڑتے۔

دوسرا امر تنقیح طلب یہ ہے کہ عالم گیر راج پوتوں کو زیر کر سکا یا نہیں؟ لین پول صاحب لکھتے ہیں:

> ''راج پوت سانپ کو ہلکا سا خراش تو لگ گیا لیکن وہ مرا نہ تھا، جنگ کا سلسلہ جاری رہا، آخر کار اودے پور کے رانا نے، جس کو راج پوتوں کی طرف سے سب سے زیادہ نقصان پہنچا تھا، اورنگ زیب سے ایک معزز صلح کر لی، کیوں کہ اس جنگ سے اب اورنگ زیب عاری ہو گیا تھا، اس صلح نامہ میں نفرت خیز جزیہ کا نام تک بھی نہ آیا لیکن رانا کو اپنے ملک کا ایک قلیل جز اس فعل کی پاداش میں کہ وہ شہزادہ اکبر کا شریک ہو گیا تھا، دینا پڑا، اودے پور کے رانا نے تھوڑے ہی دنوں میں شرائط صلح نامہ پر پانی پھیر دیا۔''

اللہ اکبر، ان چند سطروں میں کس قدر جھوٹ کا انبار ہے، الفنسٹن صاحب فرماتے ہیں:

> ''خود اورنگ زیب کو ایسی لڑائی کے اختتام کی خواہش ہوئی،...... چنانچہ اپنی تدبیر و حکمت سے اودے پور کے راجہ کو آشتی کی درخواست پر آمادہ کیا اور جب کہ درخواست اس کی طرف سے گزری تو فی الفور اس کی طرف توجہ کی، چنانچہ جزیہ سے اغماض برتا گیا اور ملک کے جس ٹکڑے کو جزیہ کے معاوضہ میں لیا گیا تھا، اکبر کی اعانت کے جرمانہ میں رکھا گیا[1]۔''

لیکن واقعہ یہ ہے کہ جودھ پور اور اودے پور دونوں ریاستوں کو عالم گیر کی فوجوں

---

[1] تفصیل ان واقعات کی اوپر گزر چکی ہے۔ الفنسٹن، ص ۶۷۷-۶۷۸۔

نے پامال کر دیا اور مہارانا اودے پور اپنے مستقر سے بھاگ کر انتہائے سرحد تک پہنچ گیا، آخر جب ہر طرف سے مجبور ہوا تو شاہزادہ محمد اعظم کے ذریعہ سے سفارش کرائی اور پرگنہ ماندل پور اور بدھنور جزیہ کے عوض میں دینے منظور کیے، عالم گیر نے پھر اپنی معمولی فیاض دلی سے کام لیا اور سنہ ۲۴ جلوس میں جب رانا دربار میں حاضر ہوا تو خلعت وخطاب اور پنج ہزاری منصب عطا کیا، مآثر عالم گیری میں ہے:

چوں رانا از ملک ومسکن رانده شد...... وتا سرحدش بود گریخت.....مفرے جز زینہار جوئے وامان طلبی اورانماند بہ دامان استشفاع بادشاہ زادہ کریم عطا پیشہ محمد اعظم دست عجز وضراعت درآویخت وگزرانیدن پرگنہ ماندل پور وبدھنور را عوض جزیہ وسیلہ عفوجریمہ آورد وملازمت بادشاہزادہ راذریعہ بختیاری خود اندیشید۔[۱]

جب رانا اودے پور راندہ ملک ومسکن ہوا، آخرکار اس ہزیمت اثر فرار سے تھک گیا اور سوائے امان طلبی اور درخواست عفو تقصیر کے اس کو چارۂ کار نظر نہ آیا تو رانا نے عطا پیشہ فرزند شاہ یعنی بادشاہزادہ محمد اعظم کے دامن میں پناہ لی اور اقرار کیا کہ رقم جزیہ کے عوض ماندل پور وبدھنور کے پرگنے نذر کرے گا، اس نے بادشاہزادہ کی ملازمت حاصل کی اور شہزادہ نے اس پر رحم کھا کر بادشاہ کے حضور میں معروضہ روانہ کیا اور بادشاہ نے قصور معاف کیا۔

مآثر الامرا میں ہے:

چوں رانا اودے پور را خالی گذاشتہ راہ فرار نمود فوجے بسر کردگی حسین علی خاں بہ تعاقب او متعین شد وپسر محمد اعظم شاہ سلطان بیدار بخت نامزد شدند وبس ازانکہ ملک رانا لکدکوب عساکر فیروزی گردید واز وطن مالوفہ برآمدہ بے ملجاو

جب رانا نے اودے پور کو خالی چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کی تو حسین علی خاں کو ایک فوج کے ساتھ تعاقب میں متعین کیا، اس کے بعد سلطان محمد اعظم شاہ اور سلطان بیدار بخت مقرر ہوئے، جب رانا کا ملک شاہی لشکر نے

۱۔ مآثر عالم گیری، ص ۲۰۷-۲۰۸، اس کے بعد کے واقعات بحث طلب نہ تھے، اس لیے ہم نے قلم انداز کیا۔

ماوئی گشت سال بست وچہارم دست ضراعت بہ دامان شفاعت شاہزادہ زدہ پرگنہ ماندل پورو بدھنور در عوض جزیہ بہ سرکاری بادشاہی گذاشت[1]	پامال کردیا تو وہ اپنے وطن مالوف سے نکل کرآوارہ گرد ہوگیا، چوبیس سال جلوس عالم گیری میں اس نے شہزادے (محمد اعظم شاہ) سے سفارش کی درخواست کی، پرگنہ ماندل پوراور بدھنور جزیے کے عوض میں بادشاہی قبضے میں دے دیے۔

غور کرو ان معتبر تاریخوں میں تصریح ہے کہ رانا عاجز آکر خود معافی کا خواست گار ہوا، الفنسٹن صاحب وغیرہ فرماتے ہیں کہ عالم گیر نے خود مجبور ہو کر سلسلۂ جنبانی کی، ان تاریخوں میں ہے کہ رانا نے دو پرگنے جزیے کے عوض میں پیش کیے، یورپین مؤرخین کہتے ہیں کہ جزیہ کا نام تک نہ آیا اور وہ پرگنے اکبر کی اعانت کا معاوضہ تھے، الفنسٹن صاحب اور لین پول کی عام عادت ہے کہ ہر موقع پر تاریخوں کا حوالہ دیتے ہیں لیکن ان واقعات کے بیان میں حوالہ کا نام نہیں۔

لیکن ان سب دروغ بیانیوں سے بالاتر لین پول کا یہ بیان ہے کہ رانا نے کچھ عرصہ کے بعد اس صلح پر بھی پانی پھیر دیا، چوں کہ اس دروغ بیانی میں لین پول کا اور کوئی شریک نہیں، اس لیے ہم کو اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں، اخیر بحث یہ ہے کہ ان واقعات کے بعد کیا راج پوت ہمیشہ کے لیے تیموریوں سے الگ ہو گئے اور کیا انہوں نے کبھی بقول لین پول عالم گیر کی حمایت میں اپنی انگلی بھی ہلانی نہ چاہی۔

گذشتہ تمام واقعات عالم گیر کے ۲۴ سنہ جلوس تک ختم ہو گئے ہیں، جگت سنگھ مہارانا اودے پور اسی سن میں مرا ہے اور عالم گیر نے اس کے بیٹے جے سنگھ کو خلعت تعزیت اور خطاب وغیرہ عطا کیا ہے، ۲۵ سنہ جلوس میں عالم گیر دکن کو روانہ ہوا اور اخیر عمر تک انہی اطراف میں مرہٹوں سے لڑتا بھڑتا رہا، ان لڑائیوں میں اس کی فوج میں راج پوت اسی

[1] مآثرالامرا، ج۲، ص۲۰۸ درضمن تذکرہ رانا کرن۔

طرح نظر آتے ہیں جس طرح اور مسلمان قومیں، چنانچہ تاریخوں میں جہاں فوجوں کا ذکر آتا ہے، راج پوتوں کا نام بھی خاص طور پر آتا ہے، مثلاً خافی خاں ۱۱۱۶ھ کے واقعات میں مرہٹوں کے ایک محاصرے میں لکھتا ہے:

''از ہر یک بند ہائے کارطلب شرط جانفشانی بہ عرصہ ظہور رسید خصوص حمید الدین خاں...... وراج پوت ہائے جلادت پیشہ و دیگر بہادران رزم جو تردذات نمایاں برروئے کارآوردند...... تا آنکہ جمشید خاں با جمعے از راج پوتان روشناس بہ ہمراہ راؤ دلپت و چندے دیگر من جملہ خانہ زادان عقیدت نشان بکار آمدند[1]''

یہی مؤرخ ۳۶ھ جلوس کے واقعات میں لکھتا ہے:

''اوائل ذی الحجہ حسنہ سی چہل وشش ۳۶ھ جلوس راجہ جے سنگھ کہ عمر او بحد بلوغ نرسیدہ بود باتفاق مردم بادشاہ زادہ یورش نمودہ بہ حملہ پیاپے کہ از بالا گولہ وسنگ واقسام آتش بازی چوں تگرگ بلا فاصلہ می ریخت وراج پوت بسیار واکثر مردم شاہزادہ بہ کار آمدند[2]''

یورپین مؤرخ کہتے ہیں کہ ایک راج پوت نے بھی عالم گیر کی حمایت میں انگلی نہ ہلائی لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہ صرف فوجی راج پوت بلکہ راج پوتوں کے بڑے بڑے راجہ مہاراجہ اخیر وقت تک عالم گیر کے ساتھ فوجی مہمات میں شریک رہے اور مرہٹوں کے پامال کرنے میں وہ مسلمان افسروں کے داہنے ہاتھ تھے، راج پوتوں کی اصلی طاقت جودھ پور، جے پور، اودے پور تھی، اودے پور کے دو شہزادے خود عالم گیر کی فوج میں معزز عہدوں پر ممتاز تھے اور اخیر وقت تک ساتھ رہے، چنانچہ ۴۳ھ جلوس میں ان میں سے اندر سنگھ کو دو ہزاری اور بہادر سنگھ کو ایک ہزاری و پانصدی کا منصب عطا ہوا[3]، یہ دونوں مہارانا راج سنگھ کے بیٹے تھے، جس نے ۲۵ھ جلوس میں وفات پائی تھی اور اس کے مرنے پر اس کے بیٹے رانا جے سنگھ کو عالم گیر نے خلعت ماتم عطا کیا تھا،، اندر سنگھ جو جسونت سنگھ رئیس جودھ پور کا عزیز تھا، جسونت کے انتقال

---

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۵۳۵ [2] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۴۹۹ [3] مآثر عالم گیری، ص ۴۰۵۔

کے بعد عالم گیر نے اس کو راجہ کا خطاب دیا اور دکن کی مہمات پر مامور کیا، اس نے نہایت وفاداری سے اپنی خدمت انجام دی، چنانچہ ۴۸؁ جلوس میں اس کو سہ ہزاری کا منصب ملا[1]۔

مان سنگھ راٹھور جس کو چھ ہزاری کا منصب حاصل تھا، ۳۵؁ جلوس عالم گیری میں ذوالفقار خاں کے ساتھ دکن کے سب سے مشہور چنجی کی مہم پر مامور ہوا[2]، جے پور کے رئیسوں کی وفاداری یورپین مؤرخوں نے بھی تسلیم کی ہے۔

مآثر الامرا میں اور بہت سے راج پوت راجاؤں اور رئیسوں کے تفصیلی حالات درج ہیں، جو عالم گیر کے ساتھ دکن کی مہمات میں شریک تھے اور نہایت جاں بازی اور وفاداری کے ساتھ خود اپنے ہم مذہب مرہٹوں سے لڑتے تھے، شکیبی شاعر نے اکبر کے زمانے میں کہا تھا:

چناں در عہد او احوال دیدم   کہ ہندو می زند شمشیر اسلام

یہ شعر نہ صرف اکبر بلکہ عالم گیر کے زمانے میں بھی سچ تھا اور اگر آج اسلامی سلطنت ہوتی تو آج بھی سچ ہوتا۔

غور کرو، ان واقعات کے ثابت ہونے کے بعد کہ جے پور، جودھ پور، اودے پور کے فرماں روا عالم گیر کے ساتھ دکن میں مرہٹوں کے ساتھ لڑائیاں لڑ رہے ہیں، راج پوت فوجیں مسلمانوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں، راج پوت افسروں کو سہ ہزاری و چہار ہزاری منصب عطا ہوتے ہیں، اودے پور کا راجہ نابالغ ہونے کے ساتھ اس بے جگری سے مرہٹوں کا مقابلہ کرتا ہے تو کیا یورپین مؤرخوں کے اس قول میں سچائی کا کچھ بھی شائبہ ہے کہ عالم گیر نے راج پوتوں کو اس قدر ناراض کر دیا کہ وہ پھر کبھی تیموری علم کے نیچے نہ آئے:

داستانِ عہدِ گل را بشنو از مرغِ چمن   زاغ نا آشفتہ تر گفتند ایں فسانہ را

---

[1] مآثر الامرا، ج ۲، ص ۲۳۶، ذکر امر سنگھ [2] ایضاً، ص ۲۷۰، ذکر روپ سنگھ۔

اورنگ زیب عالم گیر
اور
ہندوؤں کی عام ناراضی کے اسباب

عالم گیر کے جرائم میں یہ سب سے بڑا جرم بلکہ مجموعۂ جرائم ہے:

۱- عالم گیر نے ہندوؤں کو ملازمت سے یک قلم برطرف کر دیا۔

۲- ان کے مذہبی میلے ٹھیلے موقوف کرادیے۔

۳- ان کی درس گاہیں بند کرادیں۔

۴- ان پر جزیہ لگایا۔

۵- ان کے بت خانے تڑوادیے۔

غرض اس حد تک ان کو ستایا کہ وہ زبان حال سے بول اٹھے: ع

آں قدر جور کن کہ گر جائے گفتہ آید کس اعتماد کند

ان جرائم کا یہ حال ہے کہ بعض جزوی اور مختص الحالہ واقعات ہیں، مخالفین نے ان کو عام کردیا ہے، بعض کی تعبیر غلط کی ہے، بعض کے ناگریز اسباب ہیں، چنانچہ ہم ایک ایک کو الگ الگ بیان کرتے ہیں لیکن سب سے پہلے ایک ضروری امر کا تذکرہ کرنا ضرور ہے:

اکبر نے جو پالیسی قائم کی اس نے ہندوؤں کو تخت سلطنت کا شریک بنادیا لیکن باایں ہمہ چوں کہ اکبر کی سطوت و جبروت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا، ہندوؤں نے اپنی حد سے آگے

قدم نہیں بڑھایا، جہاں گیر کی نرمی اور سرمستی نے ان کو جرأت دلائی اور اب ان کی خودسری کے جوہر چمکنے لگے، جہاں گیر کے اشارے سے نرسنگھ دیو بندیلہ نے جہاں گیر کے ولی عہدی کے زمانہ میں ابوالفضل کو دھوکہ سے قتل کردیا تھا اور اس کا مال واسباب اور شاہی خزانہ جو ساتھ تھا، لوٹ لیا تھا، جب جہاں گیر تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس کارگزاری کے صلہ میں نرسنگھ دیو نے متھرا میں بت خانہ بنانے کی اجازت طلب کی، جہاں گیر نے اجازت دی، نرسنگھ نے خاص اس روپئے سے جو ابوالفضل کی غارت گری سے ہاتھ آیا تھا، بت خانے کی تعمیر کی، شیر خاں لودی جو ابوالفضل کو ملحد قرار دیتا ہے اور اس بات سے خوش ہے کہ ملحد کے مال سے بت خانہ بنا تو ع

مال حرام بود بجائے حرام رفت

اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھتا ہے:

''آں ضال مضل (ابوالفضل) درراہ دکن باشارہ نورالدین محمد جہاں گیر در ملک راجہ نرسنگھ دیو بہ قتل رسید و مال ہائے کہ بدست آویز بے راہے گرد آوردہ بود در اہتمام راجہ مذکور بر معبد ہنود کہ در سواد شہر متھرا ساختہ بود صرف گردید و حکم کریما الخبیثات للخبیثین بہ ظہور پیوست آخر آں بت خانہ نیز بہ تیشۂ حکم حضرت عالم گیر بادشاہ با خاک برابر شد۔''[1]

اکبر کے زمانے میں بااین ہمہ آزادی مذہبی غالباً کوئی نیا بت خانہ تعمیر نہیں ہوا، جہاں گیر اگرچہ اکبر کی نسبت متعصب تھا، چنانچہ کوٹ کانگڑہ کی فتح میں گاؤکشی کی رسم قائم کرنے پر خوشی کا اظہار کیا ہے، تاہم چوں کہ حکومت میں وہ زور نہیں رہا تھا، صرف بنارس میں ۷۶ نئے بت خانے تعمیر ہوئے، چنانچہ تفصیل اس کی آگے آئے گی، اس واقعہ کے اظہار سے ہمارا یہ مقصود نہیں کہ ہم مذہبی آزادی کے خلاف ہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ واقعہ آئندہ واقعات کا پیش خیمہ تھا۔

---

[1] شیر خاں لودی، تذکرہ مراۃ الخیال، ص ۱۲۵-۱۲۶، مطبوعہ کلکتہ، ۱۲۴۶ھ۔

غرض اب ہندوؤں نے اعلانیہ مسلمانوں پر تعدی اور ظلم شروع کیا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہندو مسلمان عورتوں سے بہ جبر شادی کرتے تھے اور ان کو گھروں میں ڈال لیتے تھے، اس سے بڑھ کر یہ کہ مسجدوں کو توڑ کر اپنی عمارتوں میں داخل کرتے تھے، بادشاہ نامہ عبد الحمید لاہوری جو شاہ جہاں کی شاہی تاریخ اور خود شاہ جہاں کے حکم سے لکھی گئی ہے، اس میں یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے، چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے:

وچوں رایات جلال بحوالی گجرات پنجاب رسید جمعے از سادات و مشائخ آں قصبہ استغاثہ نمودند کہ برخے از کفار نابکار حرائر[1] و امائے مومنہ را در تصرف دارند چندے ازینان مساجد بہ تعدی در عمارات خود در آوردہ بنابراں شیخ محمود گجراتی کہ از رسمی دانش بہرہ وراست و داروغگی مردم جدید الاسلام برو مقرر، رخصت یافت تا بعد از ثبوت نساء مسلمہ را از تصرف کفار برآرد، و مساجد و عمارات آں ملاعین جدا سازد و مطابق حکم بہ عمل آوردہ ہفتاد حرہ و جاریہ مومنہ را از تصرف کفرہ فجرہ برآورد، و ہر جا کہ مسجدے در زیر عمارت ہنود درآمدہ بود بعد از تحقیق آنرا افراز نمود و زورے از آنہا بطریق جرمانہ گرفتہ بدستور سابق مسجد ساخت پس از آنکہ ایں ماجرا بہ مسامع جلال رسید یرلیغ قضا نفاذ صادر شد کہ بدستور قدیم ہر

جب بادشاہ گجرات پہنچے تو سادات و مشائخ نے یہ استغاثہ کرنے کا قصد کیا کہ کفار نابکار نے بعض مسلمان (آزاد) عورتوں اور لونڈیوں کو اپنے قبضہ میں لے رکھا ہے اور جبراً مساجد کو اپنی عمارتیں بنالیا ہے، شیخ محمود گجراتی مقرر ہوئے کہ ثابت ہو جانے پر مسلمان عورتوں کو کفار کے تصرف سے چھڑائیں اور مسجدوں کو آزاد کرائیں، اس حکم کی تعمیل کی گئی، ستر مسلمان عورتیں اور لونڈیاں کفار کے تصرف سے نکالی گئیں اور جس جگہ مسجدیں ہندوؤں کی عمارتیں بنالی گئی تھیں، انہیں ان سے آزاد کرایا گیا اور کچھ جرمانہ لگا کر ان کی مرمت کرائی گئی، جب یہ مسئلہ بادشاہ کے گوش گزار ہوا تو حکم صادر ہوا کہ حسب دستور قدیم جو کوئی مسلمان ہو مسلمان عورت کو اپنے تصرف میں لائے، اس طرح

[1] حرائر یعنی آزاد عورتیں، اماء یعنی لونڈیاں۔

کہ مسلمان شود مسلمہ را بہ عقد مجدد باو باز گزارند ......پس از ورود فرمان جمعے از سعادت یاوری بہ پایہ اسلام رسیدہ زنان مسلمہ را بہ نکاح جدید متصرف گشتند......وحکم شد کہ در کل ممالک محروسہ ہر جا چنیں واقع شدہ باشد بدیں دستور عمل نمایند، چنانچہ اناث بسیار از دست کفار برآمدہ در نکاح مسلمانان درآمدند وگروہ از کفار بقبول دین مبین از آتش دوزخ رہائی یافتند و بت خانہ ہا منہدم گردید و بجائے آں مساجد بنا یافت[1]

مسلمان عورتوں کا پھر سے نکاح کیا جائے اور یہ بھی حکم ہوا کہ ممالک محروسہ میں جہاں کہیں ایسا ہو اس پر عمل کیا جائے، چنانچہ بہت سی عورتیں کفار کے دست تصرف سے نکالی گئیں اور مسلمانوں کے نکاح میں لائی گئیں، بعض کفار نے اسلام قبول کر کے آتش دوزخ سے نجات پائی اور جن مساجد کو مندر میں تبدیل کر دیا گیا تھا، انہیں منہدم کر کے ان کی جگہ پر مساجد کی تعمیر کی گئی۔

ان واقعات کو دیکھو اور غور سے دیکھو، شاہ جہاں نہایت پر جوش مسلمان تھا اور ہر موقع پر اس کا اظہار ہو چکا تھا، ۶ھ جلوس میں اس نے بنارس کے جدید تعمیر شدہ بت خانے گروا دیے تھے، باوجود اس کے ہندوؤں کا یہ زور قائم ہو چکا تھا کہ جبر اور زبردستی سے مسلمان عورتوں کو ہندو گھر میں ڈال لیتے تھے اور ان سے نکاح کرتے تھے، مسجدوں کو توڑ کر بت خانے اور عام عمارتیں بنواتے تھے۔

شاہ جہاں کو خبر ہوئی، اس نے کوئی عام سزا نہیں دی، بلکہ صرف یہ کیا کہ عورتوں کو ہندوؤں کے قبضہ سے نکال لیا اور جن مسجدوں کو گرا کر بت خانہ بنایا تھا، بدستور پھر مسجدیں بن گئیں۔

شاہ جہاں جب تک زور اور قوت کے ساتھ حکم رانی کرتا رہا، ہندوؤں کی تعدیاں رکی رہیں، اخیر میں شاہ جہاں کے بجائے تمام اختیارات داراشکوہ کے ہاتھ میں آگئے، داراشکوہ

---

[1] عبدالمجید لاہوری، بادشاہ نامہ، جلد اول، حصہ دوم، واقعات ۷ھ جلوس، ص ۵۷ و ۵۸، اس عبارت میں جن بت خانوں کے گرانے کا ذکر ہے، وہی ہیں جو مسجد تھے اور ہندوؤں نے گرا کر بت خانہ بنالیا تھا۔

کا یہ حال تھا کہ اعلانیہ ہندو پن کا اظہار کرتا تھا، اپنشد کو جو ترجمہ کیا ہے اس میں صاف لکھتا ہے کہ قرآن شریف اصل میں اپنشد میں ہے، چنانچہ اس کی عبارت حسب ذیل ہے:

"ازیں خلاصہ کتاب قدیم کہ بے شک وشبہ اولیں کتب ساوی و سر چشمہ بحر توحید است وقدیم است اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِىْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی قرآن کریم در کتاب است کہ آں کتاب پنہاں است وادراک نمی کند مگر دلے کہ مطہر باشد و نازل شد از پروردگار عالم، مشخص ومعلوم می شود کہ ایں آیت در حق زبور و تورات وانجیل نیست چوں اپنشد کہ سر پوشیدنی است اصل ایں کتاب است وآیت ہائے قرآن مجید بعینہ درآں یافتہ می شود پس تحقیق کہ کتاب مکنوں ایں کتاب قدیم باشد۔"

اب غور کرو وہ ہندو جن کو اکبر شریک سلطنت کر چکا تھا، جو جہاں گیر کے زمانے میں مسلمانوں کے مال سے بت خانے تعمیر کرتے تھے، جو شاہ جہاں کے عہد میں مسجدوں کو توڑ کر بت خانے بنواتے اور مسلمان عورتوں سے بہ جبر نکاح کرتے تھے، جو اپنے پاٹ شالوں میں مسلمان بچوں کو اپنے مذہب کی تعلیم دیتے تھے، چنانچہ خود عالم گیر کے عہد حکومت میں اس کی تخت نشینی کے بارہویں سال تک یہ طریقہ جاری رہا، (تفصیل آگے آئے گی) اب داراشکوہ کے سایہ حمایت میں ان کے زور وقوت، تسلط واقتدار، جبر وتعدی، جور وستم کا مقیاس الحرارہ کس درجہ تک پہنچا ہوگا، یادرکھو یہی ہندو تھے جن سے عالم گیر کو سابقہ پڑا تھا، اب ہم اصل مباحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ہندوؤں کی ملازمت سے علاحدگی یورپین مؤرخوں نے اپنی معمولی عادت کے موافق اس واقعہ کی اصلی ہیئت بدل دی ہے، یعنی عالم گیر نے تمام ہندوؤں کو سرکاری ملازمتوں سے موقوف کر دینا چاہا، گو ایسا نہ کر سکا، الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں "مگر یہ گشتی حکم بھی سارے حاکموں اور اختیار والوں کے پاس بھیجا کہ آئندہ سے ہندو بھرتی نہ کیے جائیں اور ان تمام عہدوں پر مسلمان بھرتی کیے جائیں جو تمہارے تخت حکومت میں ہو ویں" لیکن

واقعہ صرف اس قدر ہے کہ ۱۰۸۲ھ میں اس نے یہ حکم دیا تھا کہ صوبہ داروں اور تعلقہ داروں کے پیش کار اور دیوان (منشی و محاسب) نیز محالات خالصہ کے مال گزاری وصول کرنے والے ہندو نہ مقرر کیے جائیں، چنانچہ خافی خاں لکھتا ہے:

''صوبہ داران و تعلقہ داران، پیش کاران و دیوانیان، ہنودرا برطرف نمودہ، مسلمانان مقرر نمایند، وبدیوانیان امر فرمودند کہ کروری محالات خالصہ مسلمان می نمودہ باشند[1]''

یہ ظاہر ہے کہ ان عہدوں پر اکثر کائستھ مقرر ہوتے تھے، جو رشوت لینے میں مشہور تھے، اس حکم کو مذہبی تفریق سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن یہ حکم بھی قائم نہ رہا، بلکہ اس کی اصلاح اس طرح کردی گئی کہ ایک پیش کار ہندو اور ایک مسلمان مقرر کیا جائے، خافی خاں لکھتا ہے:

''بعدہ چناں قرار یافت کہ از جملہ پیش کاران دفتر دیوانی و بخشیاں سرکار یک پیشکار مسلمان و یک ہندو مقرر می نمودہ باشند[2]''

اس انتظام سے اس کے سوا اور کیا مقصد ہوسکتا تھا کہ ہندوؤں کی رشوت خوری اور غبن کی نگرانی رہے، ورنہ اگر مذہبی تعصب اس کا باعث ہوتا تو مسلمان کے شریک کرنے سے اس کو کیا تعلق تھا۔

یہ بحث اگرچہ یہیں ختم ہوجاتی ہے لیکن چوں کہ یورپین مؤرخوں نے نہایت بلند آہنگی سے اس غلط واقعہ کو مشہور کیا ہے، اس لیے ہم عالم گیر کے ہندو عہدہ داروں کی ایک فہرست اس موقع پر درج کرتے ہیں، اس فہرست کے متعلق امورِ ذیل ملحوظ رکھنے چاہئیں۔

۱- یہ فہرست سرسری طور سے مآثر عالم گیری سے تیار کی گئی ہے جو عالم گیر کے حالات میں سب سے مقدم تاریخ ہے۔

۲- صرف ان عہدہ داروں کو لیا گیا ہے جو بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے، عام عہدہ داروں اور اہل فوج کا ذکر نہیں۔

۱: منتخب اللباب، ج ۲، ص ۲۴۹ ۲: ایضاً، ج ۲، ص ۲۵۲۔

۳-صرف ان عہدہ داروں کو لیا گیا ہے جو اس زمانہ کے بعد مقرر ہوئے ہیں یا اس کے بعد تک رہے ہیں، جب سے عالم گیر کے تعصب کے ظہور کا وقت بیان کیا جاتا ہے۔

۴-ان عہدہ داروں میں اکثر مرہٹوں کی مہم میں شریک رہے ہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اکبر کے زمانے میں ہندو مسلمانوں کے ساتھ ہو کر خود اپنے ہم مذہبوں سے لڑتے تھے، عالم گیر کے عہد تک یہ طریقہ قائم رہا۔

۵-ان میں سے بعض آنریری عہدہ دار تھے اور فخر کے لحاظ سے عہدہ قبول کرتے تھے۔

نام عہدہ دار	ولدیت وغیرہ	سند تقرر یا اضافہ عہدہ یا عطائے منصب (سنہ جلوس عالم گیری مراد ہے)
راجہ بھیم سنگھ	راج سنگھ مہارانا اودے پور کا بیٹا اور مہارانا جے سنگھ کا بھائی تھا۔	سنہ ۳۱ر جلوس عالم گیری میں دکن سے آیا اور برہان پور کی مہم میں شریک ہوا، سنہ ۳۸ر میں پنج ہزاری کے منصب تک پہنچ کر مر گیا۔
اندر سنگھ	جے سنگھ مہارانا اودے پور کا بھائی تھا۔	سنہ ۴۳ر میں دو ہزاری ہوا اور سنہ ۴۸ر میں سہ ہزاری پر اضافہ ہوا۔
بہادر سنگھ	جے سنگھ مہارانا اودے پور کا بھائی تھا۔	سنہ ۴۳ر میں یک ہزار و پان صدی ہوا۔
راجہ مان سنگھ	پسر راجہ روپ سنگھ۔	سنہ ۲۶ر میں ماندل پور بدھنور[1] کا فوج دار مقرر ہوا، سنہ ۴۳ر میں سہ ہزاری تک پہنچا۔
اچلاجی	شیوا جی کا داماد تھا۔	سنہ ۲۹ر میں پنج ہزاری منصب اور علم و نقارہ وغیرہ ملا۔

[1] یہ وہ پرگنے ہیں جو مہارانا اودے پور نے جزیے کے عوض میں دیے تھے۔

سند تقرر یا اضافہ عہدہ یا عطائے منصب (سنہ جلوس عالم گیری مراد ہے)	ولدیت وغیرہ	نام عہدہ دار
سنہ ۳۸ر منصب دو ہزاری۔	سنبھا جی (پسر شیوا جی) کا عم زاد بھائی۔	ارجو جی
سنہ ۳۱ر منصب دو ہزاری۔	سنبھا کے نوکروں میں تھا۔	مانکو جی
سنہ ۳۱ر میں خلعت ملازمت ملا۔	پسر راؤ کرن	راؤ انوپ سنگھ
سنہ ۳۱ر میں لشکر کا قلعہ دار مقرر رہوا۔	......	راجہ انوپ سنگھ
سنہ ۳٦ر میں ایرج کا فوج دار اور دو نیم ہزاری ہوا۔	......	راجہ دویت سنگھ
سنہ ۴۷ر میں سہ ہزار و پان صدی ہوا۔	قلعہ کھیلنا کا قلعہ دار تھا۔	اودے سنگھ
سنہ ۴۹ر میں سہ ہزاری ہوا۔	جندن کرا کا زمین دار تھا۔	باسد یو سنگھ
پہلے پنج ہزاری تھا، سنہ ۴۹ر میں ایک ہزار کا اضافہ ہوا۔	......	کاتھو جی
سنہ ۴۴ر میں قلعہ تارا کا قلعہ دار ہوا۔	......	ستر سال بوندیلہ
سنہ ۲۵ر میں ہزاری و چار صد سوار رہوا۔	پسر کنور کشن سنگھ پسر راجہ رام سنگھ	بشن سنگھ
سنہ ۴۰ر میں دو نیم ہزاری ہوا۔	کھنالوں کا تھانہ دار تھا۔	رام چند
سنہ ۲۹ر میں بہار سنگھ کے شکست دینے کے صلہ میں رائے رایان کا خطاب ملا۔	نائب و ملازم شاہزادہ اعظم شاہ	لوک چند
سنہ ۴۲ر میں پنج ہزاری منصب ملا۔	......	بھاگو بنجارا
سنہ ۵۰ر میں سہ ہزاری ہوا۔	نصرت آباد کا دیس مکھ تھا۔	جکیا
سنہ ۲۹ر میں سہ ہزاری کا منصب پھر بحال ہوا۔	......	درگ داس راٹھور

نام عہدہ دار	ولدیت وغیرہ	سند تقرر یا اضافہ عہدہ یا عطائے منصب (سنہ جلوس عالم گیری مراد ہے)
سروپ سنگھ	ولد راجہ اودوت سنگھ	سنہ ۴۱ر میں ایک ہزاری منصب پر ترقی ہوئی۔
سوبھان	ستارہ کا قلعہ دار تھا۔	سنہ ۴۳ر میں پنج ہزاری منصب مع خلعت و نقارہ وغیرہ۔
شیو سنگھ	راہیری کا قلعہ دار تھا۔	سنہ ۴۷ر میں یک و نیم ہزاری ہوا۔
مان دھاتا	پسر راؤ کاتھو متعینہ فوج نصرت جنگ	سنہ ۵۱ر میں قلعہ ہمنت کی تسخیر پر مامور ہوا۔
کشور داس	ولد منوہر داس گور	سنہ ۲۶ر شعلہ پور کا قلعہ دار ہوا۔
راجہ کلیان سنگھ	بھداور کا زمین دار تھا	سنہ ۴۰ر میں حاضر دربار ہو کر ہفت صدی پر دو صدی کا اضافہ ہوا۔

اس فہرست میں بعض اور باتیں لحاظ کے قابل ہیں، سب سے مقدم یہ کہ اس میں مہارانا اودے پور کے بیٹے اور بھائی بھی موجود ہیں اور اس سے عجیب تر یہ کہ شیواجی کے متعدد عزیز اور رشتہ دار کے نام نظر آتے ہیں، حالات پڑھو تو معلوم ہوگا کہ یہ صرف نام کے عہدہ دار نہ تھے بلکہ معرکوں میں حیرت انگیز جاں فشانیاں دکھاتے تھے، ان عہدہ داروں میں ہر قسم کے عہدہ دار ہیں یعنی فوجی بھی، ملکی بھی، غور کرو، فوجوں کی افسری، قلعوں کی قلعہ داری، اضلاع کی نظامت و فوج داری، ان سب سے بڑھ کر ذمہ داری اور اعتماد کے کیا عہدے ہو سکتے ہیں، یہ سب عہدے ہندوؤں کو حاصل تھے، ان واقعات کے بعد لین پول صاحب کے اس قول پر ایک دفعہ اور نظر ڈالو کہ:

”راج پوتوں نے عالم گیر کی حمایت میں ایک انگلی بھی ہلانی نہ چاہی۔“

جزیہ لگانا | یہ الزام اس لیے قائم کیا جاتا ہے کہ لوگ جزیے کی حقیقت اور ماہیت سے

واقف نہیں، جزیے پر ہم نے ایک مفصل علاحدہ رسالہ لکھا ہے[1]، جس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے، اس کے دیکھنے سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جزیہ کوئی ناگوار چیز نہ تھی، بلکہ غیر قوموں کے حق میں رحمت تھی، اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں نے اس سے ناراضی ظاہر کی لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو محصول ایک مدت سے موقوف ہو چکا تھا، اس کا نئے سرے سے قائم کیا جانا کیوں کر گوارا ہو سکتا تھا۔

میلوں کا موقوف کرنا اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عالم گیر نہایت روکھا پھیکا آدمی تھا، اس کو میلوں ٹھیلوں، ناچ رنگ، گانے بجانے، شراب کباب اور تمام ظاہری نمائش اور تکلف سے نفرت تھی اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ ان چیزوں سے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے، اس نے خانگی جھگڑوں سے فارغ ہونے کے بعد ہی اس طرف توجہ شروع کی، سلاطین تیموریہ کے آئین میں داخل تھا کہ بڑے بڑے مشہور گویئے دربار میں ملازم رہتے تھے اور بادشاہ ہر روز ایک وقت خاص اس تفریح میں بسر کرتا تھا، اسی دربار میں شعرا اور منجمین نوکر تھے، عالم گیر نے ۱۰۷۸ھ میں حکم دیا کہ گویئے دربار میں آئیں لیکن گانے نہ پائیں، پھر سرے سے موقوف کر دیے، ملک الشعرائی کا عہدہ توڑ دیا، منجمین نکال دیے گئے، دربار میں آداب اور کورنش کا جو طریقہ تھا، موقوف کر دیا، بادشاہ جھروکہ میں بیٹھ کر درشن کراتا تھا اور اس سے ایک خاص درشنی فرقہ پیدا ہو گیا تھا جو بغیر بادشاہ کی زیارت کیے ہوئے کچھ کھاتا پیتا نہ تھا، رسم بھی حالاں کہ سلطنت کے لیے مفید تھی، موقوف کر دی، محرم میں تابوت نکالا جاتا تھا، ۱۰۷۹ھ میں برہان پور میں تابوت کے گشت کے متعلق دو گروہوں میں مٹ بھیڑ ہو گئی اور بلوہ عظیم ہوا اور بڑی خوں ریزی ہوئی، یہ سن کر حکم دیا کہ تابوت نہ نکالے جائیں[2]، اسی مد میں ہندوؤں کے میلے ٹھیلے بھی بند کرا دیے، اس سے بدگمان مؤرخوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس نے تعصب مذہبی کے لحاظ سے ایسا کیا۔

---

[1] دیکھیں مقالاتِ شبلی، ج ۱، ص ۲۲۱، مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ۔ [2] خافی خاں نے اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ (منتخب اللباب، ج ۲، ص ۲۱۳-۲۱۲)

مدارس کا بند کرانا ایرانی مؤرخین جو عالم گیر کی ہر بات کو عیب کے پیرائے میں بیان کرتے ہیں، اس بات کے عادی ہیں کہ مختص الحالہ واقعات کو عام کر کے دکھائیں، اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ شاہ جہاں کے زمانے میں ہندو مسلمانوں پر مذہبی جبر کرنے لگے تھے، داراشکوہ کے طرزِ عمل نے ان کو اور جری کر دیا تھا، وہ اپنے پاٹ شالوں میں مسلمانوں کے بچوں کو اپنے مذہبی علوم سکھاتے تھے اور ایسی ترغیب دیتے تھے کہ دور دور سے مسلمان ان کے مدرسوں اور پاٹ شالوں میں آتے تھے، عالم گیر نے ان ہی مدرسوں کو بند کرایا تھا، بدگمان مؤرخوں نے یہ لکھ دیا کہ ہندوؤں کے تمام مدرسے اور عبادت گاہیں ڈھا دیں، تاہم ان کی تحریر میں بھی اصلیت کا سراغ لگ جاتا ہے، مآثر عالم گیری میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے:

بعرض خداوند دین پرور رسید کہ در صوبہ ٹھٹھ و ملتان	بادشاہ دین پناہ کو معلوم ہوا کہ ٹھٹھ و ملتان میں
خصوص بنارس برہمنان بطالت نشان در مدارس	بالعموم اور خاص کر بنارس میں برہمنوں نے
مقرر بتدریس کتب باطلہ اشتغال دارند و راغبان	مدارس قائم کیے ہیں اور کتب باطلہ کی درس و
وطالبان از ہنود و مسلمان مسافت ہائے بریدہ طے	تدریس میں مشغول ہیں ہندو و مسلم طلبہ دور دراز
نمودہ جہت تحصیل علوم شوم نزد آں جماعہ گمراہ می	مقامات سے سفر کر کے ان علوم کی تحصیل کے
آیند، احکام اسلام نظام بہ ناظمان کل صوبہ جات	لیے آتے ہیں، قبلہ عالم نے عام صوبہ جات کے
صادر شد کہ مدارس و معابد بے دیناں بدست	نظما کے نام فرامین روانہ کیے کہ یہ مدارس مسمار
خویش انہدام سازند و بتاکید اکید طور درس و	کر دیے جائیں اور ان علوم کے درس و تدریس
تدریس و رسم شیوع مذاہب کفر آییناں بر اندازند[1]۔	کی تاکید کے ساتھ ممانعت کی جائے۔

اس عبارت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جن وجوہ سے یہ حکم دیا گیا تھا، اس کی کیا غرض تھی لیکن متعصب مؤرخ نے اس حکم کو عموم کے پیرائے میں لکھ دیا اور یہ اس کی عام عادت ہے، عالم گیر نے بعض خاص ملازمتوں سے ہندوؤں کو موقوف کیا تھا، جس کا ذکر اوپر گزر چکا

[1] مآثر عالم گیری، ۸۱۔

لیکن یہ مؤرخ کہتا ہے کہ ہندو اہل قلم سرے سے موقوف کر دیے گئے، چنانچہ خاتمہ کتاب میں لکھتا ہے "وہنود اہل قلم از عمل معزول گشتہ بودند"[1] پچھلے مؤرخوں نے بھی اس کا اعتبار نہیں کیا، خافی خاں عالم گیر کے ان احکام کو جی کھول کر لکھتا ہے، جو اس نے ہندوؤں کے خلاف دیے تھے لیکن اس کا ذکر نہیں کرتا۔

بت شکنی الزامات عالم گیر کی فہرست میں یہ الزام سب سے زیادہ جلی حرفوں میں لکھا جاتا ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر عالم گیر نے امن و امان کی حالت میں اپنی رعایا کے بت خانے گرائے ہیں تو وہ اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھا تھا، خلفائے راشدین سے زیادہ کون اسلام کا حامی ہو سکتا ہے، انہوں نے سیکڑوں ہزاروں شہر فتح کیے، دنیا کے بڑے بڑے حصے ان کے زیر حکومت آئے، ان کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف اسلامی تاریخوں میں موجود ہے، ایک واقعہ بھی منقول نہیں جس میں ان کے ہاتھ سے کسی قوم کے معبد اور پرستش گاہ کو ٹھیس بھی لگی ہو، چنانچہ ہم اس بحث کو نہایت مفصل حقوق الذمیین[2] میں لکھ چکے ہیں، عالم گیر نے ان سب کے خلاف تو کیا بے شبہ اس خاص معاملہ میں وہ اسلام کا جائز قائم مقام نہیں ہے لیکن ہم کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ واقعہ کی اصلیت کیا ہے، ایک بڑی غلطی عموماً یہ ہوتی ہے کہ لوگ آج کل کے تمدن اور معاشرت کی عینک سے پچھلے زمانے پر نظر ڈالتے ہیں، آج کل مذہب اور پالیٹکس بالکل الگ الگ ہیں، گورنمنٹ انگریزی اس بات کی بے تکلف اجازت دیتی ہے کہ جس کا جی چاہے شارع عام پر کھڑے ہو کر عیسائی مذہب پر (جو گورنمنٹ کا مذہب ہے) اعتراض اور نکتہ چینیاں کرے اور لوگوں کو اپنے مذہب میں لائے لیکن یہی گورنمنٹ یہ کبھی جائز نہ رکھے گی کہ کوئی شخص مجمع عام میں گورنمنٹ کے طریقۂ سلطنت پر اعتراض کرے اور لوگوں کو مخالفت میں اپنا ہم آہنگ بنائے، آج مسلمانوں کی مسجدیں اور ہندوؤں کے شوالے کوئی ملکی اثر نہیں رکھتے لیکن قدیم زمانے میں یہی چیزیں بغاوتوں اور

---

[1] مآثر عالم گیری، ص ۵۲۸ [2] ملاحظہ ہو مقالاتِ شبلی، ج ۱، ص ۱۸۵-۲۲۰، مطبوعہ معارف پریس، اعظم گڑھ۔

ہنگاموں کا صدر مقام بن جاتی تھیں، یہی بات تھی کہ ہندو اور مسلمان دونوں جب قابو پاتے تھے تو ایک دوسرے کی پرستش گاہوں کو صدمہ پہنچاتے تھے، تاریخیں بھری پڑی ہیں کہ ہندو راجاؤں نے جب قوت اور اقتدار حاصل کیا ہے، مسجدیں ڈھا کر برباد کر دی ہیں۔

علی عادل شاہ دکنی نے ۹۷۶ھ میں رام راج کو، جو بیجانگر کا راجہ تھا، نظام شاہ بحری کے مقابلہ میں اپنی مدد کو بلایا تھا، رام راج جب مدد کو آیا تو خود علی عادل شاہ کے ملک میں تمام مسجدیں جلا دیں، تاریخ فرشتہ میں ہے:

علی عادل شاہ ہمدرسنہ بست وسبعین ۹۷۶ھ و تسعہ ماتہ رام راج را بہ مدد خواندہ باتفاق او بہ صواب احمد نگر نہضت نمود ......از پرندہ تا خبیر واز احمد نگر تا دولت آباد اثر معموری نہ ماندہ کفار بیجانگر کہ زسالہائے دراز طالب چنیں منصوبہ بودند دست بیداد دراز کردہ خاک در کلسہ عیش متوتلین آن دیار کردند و مساجد و مصاحف سوختند[1]	علی عادل شاہ نے ۹۷۶ھ میں رام راج کو مدد کے لیے طلب کیا اور اس کے ہمراہ احمد نگر کی طرف روانہ ہوا...... پرندہ سے خبیر تک اور احمد نگر سے دولت آباد تک تباہی اور بربادی کا بازار گرم ہو گیا، بیجانگر کے ہندو ایک عرصے سے ایسے موقع کی تلاش میں تھے، جی کھول کر ظلم وستم کیے اور اس شہر کے لوگوں کی خوشیوں کو مٹی میں ملا دیا، ان لوگوں نے مساجد اور قرآن تک کو نذرِ آتش کر دیا۔

اس واقعہ کو مؤرخ مذکور نے دوسرے موقع پر زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، یعنی یہ کہ علی عادل شاہ نے رام راج کو اس شرط سے اپنی مدد کو بلایا تھا کہ کفار مساجد وغیرہ کی بے حرمتی نہ کریں، باایں ہمہ ان لوگوں نے اس کے خلاف کیا، چنانچہ اس کے اصلی الفاظ یہ ہیں:

چوں در دفعہ اول علی عادل شاہ از ستیزہ حسین نظام شاہ بحری بہ تنگ آمدہ ناچار رام راج را بہ مدد طلبیدہ چناں عہد وشرط درمیان آورد کہ کفار	پہلی مرتبہ جب علی عادل شاہ، حسین نظام شاہ کی ہنگامہ آرائیوں سے پریشان ہوا تو اس نے رام راج سے مدد طلب کی، علی عادل اور رام راج میں

[1] تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص ۳۶۔

بیجانگر بواسطہ عداوت دینی اہالی اسلام را مضرت جانی نہ رسانیدہ دستبرد ودستگیر نہ نمایند و مساجد را خراب نہ گردانند و معترض ننگ و ناموس مومناں نہ شوند لیکن خلاف آں بہ ظہور آمدہ کفار نابکار در بلدہ احمد نگر در تخریب و تعذیب مسلمانان و ہتک حرمت ایشاں دقیقہ نامرعی نہ گزاشتند وچنانکہ گذاشت در مساجد فرود آمدہ بت پرستی مے کردند وساز نواختہ سرود مے گفتند[1]۔

معاہدہ ہوا کہ بیجانگر کے ہندو اپنی پرانی دشمنی کی وجہ سے مسلمانوں کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے، رعایا کے جان و مال پر دست درازی نہ کریں گے اور مسلمانوں کی عزت وآبرو پر کوئی حملہ نہ کریں گے لیکن ہندوؤں نے اس وعدہ کو فراموش کر کے احمد نگر میں مسلمانوں پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے، قتل کیا، مال واسباب کو لوٹا اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے مسجدوں کی بے حرمتی کی، علی عادل شاہ یہ سب کچھ سن کر بہت رنجیدہ ہوا لیکن اس وقت کچھ نہ بولا کیوں کہ اس موقع پر خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں، جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں، تم اوپر پڑھ آئے ہو کہ ہندوؤں نے عالم گیر کی سلطنت سے پہلے کس قدر زور پکڑ لیا تھا، عالم گیر نے جب ان کی تعدیوں کو روکنا چاہا تو ان میں ایک عام شورش پیدا ہوئی، ذی قعدہ ۱۰۷۹ھ یعنی تخت نشینی کے بارہویں برس عالم گیر کو جب اطلاع ملی کہ ہندو مسلمانوں کو اپنے مذہبی علوم پڑھاتے ہیں تو اس نے اس کے انسداد کا حکم دیا، اس واقعہ کے مہینہ بھر کے بعد متھرا کے اطراف میں ہندوؤں نے شورش کی، جس کے فرو کرنے کے لیے عبدالنبی خاں متھرا کا فوج دار متعین کیا گیا[2] اور مارا گیا، اسی زمانہ کے قریب یعنی ۱۰۸۰ھ میں بنارس کا بت خانہ کاشی ناتھ اور متھرا کا وہ بت خانہ جو ابوالفضل کی لوٹ سے نرسنگھ دیو نے بنوایا تھا، منہدم کرا دیے گئے، اس کے بعد اودے پور وغیرہ کے بت خانوں پر آفت آئی۔

---

[1] تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص ۳۷ [2] مآثر عالم گیری، ص ۷۵۔

ایرانی مخالف مؤرخوں کو کیا غرض تھی کہ وہ بت خانوں کے انہدام کے اسباب اور وجوہ لکھتے لیکن واقعات ذیل آج بھی معلوم ہیں، ان کو فلسفیانہ اصول سے ترتیب دو، اصل حقیقت صاف معلوم ہو جائے گی۔

۱-شاہ جہاں کے ساتویں سال حکومت تک ہندوؤں کا یہ زور تھا کہ مسجدوں کو توڑ کر اپنے تصرف میں لاتے تھے اور شریف مسلمان عورتوں کو بہ جبر گھر میں ڈال لیتے تھے۔

۲-داراشکوہ جو شاہ جہاں کے اخیر زمانے میں سلطنت کے کاروبار کا مالک ہو گیا تھا، ہمہ تن ہندو پرست تھا۔

۳-عالم گیر کے بارہویں سال تک ہندوؤں کا یہ حال تھا کہ علانیہ مسلمانوں کو اپنے مذہبی علوم کی تعلیم دیتے تھے۔

۴-عالم گیر نے جب اس تعلیم کو بند کرنا چاہا تو ہندوؤں میں شورش شروع ہوئی، ۱۰۸۹ھ مطابق ۲۲ر جلوس عالم گیری میں کھنڈیلہ کے راج پوتوں نے شورش کی[1] اور ان پر فوج کشی کی گئی اور وہاں کے بت خانے توڑے گئے، اسی سال عام شورش برپا ہوئی اور جودھ پور اور اودے پور کی ریاستیں بغاوت کا مرکز بنیں۔

۵-عالم گیر نے اس بنا پر جودھ پور اور اودے پور پر فوج کشی کی اور وہاں کی بت خانے غارت کرا دیے۔

جس قدر بت خانے توڑے گئے، ان ہی مقامات کے توڑے گئے جہاں پر زور بغاوتیں برپا ہوئیں۔

عالم گیر پچیس برس تک دکن میں رہا، ان ممالک میں ہزاروں بت خانے تھے لیکن کسی تاریخ میں ایک حرف بھی نہیں مل سکتا کہ اس نے کسی بت خانے کو ہاتھ بھی لگایا ہو۔ الورہ کے مشہور مندر میں سیکڑوں تصویریں اور بت ہیں عالم گیر اسی نواح میں الورہ

---

[1] مآثر عالم گیری، ص ۱۷۱-۱۷۳۔

سے میل دو میل کے فاصلے پر مدفون ہے، بڑے بڑے بزرگانِ دین کا یہاں مزار ہے، جو عالم گیر سے بہت پہلے گزرے لیکن یہ بت اور تصویریں آج تک موجود ہیں، مآثر عالم گیری کا مصنف جو خود عالم گیر کا ایک عہدہ دار تھا اور جس کو بت خانوں کے توڑنے کے ذکر میں مزہ آتا ہے اور مزے لے لے کر اس کا ذکر کرتا ہے، الورہ کا ذکر نہایت تعریف کے ساتھ کرتا ہے اور اخیر میں لکھتا ہے "بدیع سیرگاہ است نظر فریب جز بدیدن تحریر ماہیت راست نیاید، خامہ تا کجا صفحہ اخبار برآراید[1]"

یورپین اور ہندو مورخ کہتے ہیں کہ عالم گیر نے چوں کہ بت خانے گرائے، اس لیے بغاوت ہوئی لیکن واقعہ یہ ہے کہ بغاوت ہوئی اس لیے بت خانے گرائے گئے، عالم گیر کا بت خانوں کا گرانا ایسا ہی تھا جیسا کہ آج ایسے روشن زمانے میں مہدی سوڈانی کے مقبرے کو برباد کرا دیا۔

۵ھ جلوس میں جب ہندوستان میں امن و امان قائم ہو گیا اور عالم گیر دکن کو روانہ ہو گیا تو بت خانوں کے گرانے کا ایک واقعہ بھی کہیں تاریخوں میں نظر نہیں آتا، دکن میں اسلامی سلطنتوں یعنی گولکنڈہ اور بیجاپور سے مقابلہ تھا اس لیے کسی بت خانوں سے تعرض نہیں کیا گیا، ورنہ اگر مذہبی تعصب ہوتا تو یہاں اس کا سب سے اچھا موقع تھا۔

عالم گیر تو خیر بقول مخالفوں کے متعصب تھا لیکن نہایت عادل اور غیر متعصب شاہ جہاں کو بھی ایسے موقع پر عالم گیر بننا پڑا، "بادشاہ نامہ" عبدالحمید لاہوری میں جو خود شاہ جہاں کی زیر نگرانی لکھا گیا ہے، یہ واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

"چوں پیش تر بہ عرض اقدس رسیدہ بود کہ در ایام دولت حضرت جنت مکانی (یعنی جہاں گیر) در بنارس کہ منشائے کفر و ضلال و منمائے وزر و بال است، بت خانہ بسیار احداث یافتہ ناتمام ماندہ است و برخے از متمولان کفرہ و فجرہ می خواہند کہ بہ اتمام رسانند شہنشاہ دین پناہ

---

[1] مآثر عالم گیری، ص ۲۳۸۔

حکم فرمودہ بودند کہ چہ بنارس و چہ دیگر محال ممالک محروسہ ہر جات بت خانہ احداث یافتہ باشد آں را برانداز ند، دریں والا از عرض داشت وقائع نگار صوبہ الٰہ آباد معروض گشت کہ ہفتاد وشش بت خانہ در خطہ بنارس خاک برابر گردید[1]۔''

شاہ جہاں کوئی متعصب بادشاہ نہ تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کثرت سے نئے نئے بت خانوں کو بلا اجازت تعمیر کرانا اسی سلسلہ میں داخل ہے، جس کی بدولت ہندو اسلامی مساجد و معابد کو بت خانے بنانے کی جرأت کرنے لگے ہیں، چنانچہ اس نے نئے بت خانوں کو تڑوا کر ہندوؤں کی ملکی قوت کا استیصال کر دیا، عالم گیر نے بھی یہی بلکہ اس سے کم کیا، اس نے بنارس کا صرف ایک بت خانہ تڑوایا اور متھرا کا وہ بت خانہ جو مسلمانوں کے مال سے بنا تھا، اگر یہ جرم ہے تو ہم عالم گیر کو اس جرم سے نہیں بچا سکتے۔

---

[1] عبد الحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، ج ۱، ص ۴۵۱-۴۵۲۔

اورنگ زیب عالم گیر

اور

باپ اور بھائیوں کے معاملات

عالم گیر کے فردِ جرم کا یہ سب سے اخیر نمبر ہے لیکن اس کے دامن اوصاف کا سب سے زیادہ بدنما داغ ہے اور جرائم کی نسبت عالم گیر کا ایک حامی کہہ سکتا ہے کہ اگر غیر سلطنتوں کا تسخیر کرنا ایک جرم ہے تو مجرموں کی صف میں سکندر اور نپولین کو سب سے آگے کھڑا کرنا چاہیے، اگر مرہٹوں کی بغاوت کا دبانا گناہ ہے، تو پہلا مجرم شاہ جہاں صاحبقران ثانی ہے، اگر راج پوت ریاستوں پر لشکر کشی کرنا الزام ہے تو فردِ جرم میں سب سے اوپر اکبر اعظم کا نام ہونا چاہیے، جس نے سب سے پہلے جے پور پر چڑھائی کی اور اس وقت تک اس ارادے سے باز نہ آیا جب تک راجہ زادیاں تیموری حرم میں نہ آئیں، اگر ہندوؤں کو بڑے معزز عہدے نہ دینا خلاف انصاف ہے تو یورپ کی نسبت کیا کہا جائے گا، جس نے آج تک اپنی قوم کے سوا کسی کو وزارت یا سپہ سالاری کے عہدہ پر ممتاز نہیں کیا۔

لیکن عالم گیر کا حامی اس کا کیا جواب دے سکتا ہے کہ عالم گیر کے دامن پر بھائیوں کے خون کی چھینٹیں ہیں اور اس کے مظلوموں میں خود اس کا نامور باپ شاہ جہاں بھی قید خانے کی کڑیاں جھیل رہا ہے۔

بے شبہ ہم کو نہایت ٹھنڈے دل سے بے رو رعایت ان جرائم کی تحقیقات کرنی چاہیے اور نہایت احتیاط رکھنی چاہیے کہ میزان عدل کا پلہ طرف داری کے رخ نہ جھک جائے۔

عالم گیر کے حالات کے متعلق آج بہت سی کتابیں موجود ہیں لیکن اصولِ تاریخ کی رو سے ہم کو صرف ان کتابوں پر اعتماد کرنا ہوگا جو عین عالم گیر کے عہد میں لکھی گئیں، اس قسم کی کتابیں حسب ذیل ہیں:

عالم گیر نامہ، کاظم شیرازی: اس میں ابتدا سے دس برس کے حالات ہیں، اس کا مسودہ خود عالم گیر کو دکھالیا جاتا تھا۔

مآثر عالم گیری: مستعد خاں ساقی کی تصنیف ہے جو عالم گیر کا عہدہ دار تھا لیکن دس برس اول کے حالات اس نے صرف عالم گیر نامہ کے حوالہ سے لکھے ہیں، اور اسی کو مختصر کر دیا ہے۔

منتخب اللباب، خافی خاں: اس کا باپ عالم گیر کی فوج میں شریک تھا، خود خافی خاں بھی اخیر زمانہ میں عالم گیری عہدہ داروں میں داخل ہوگیا تھا، یہ کتاب عالم گیر کی وفات سے دس برس بعد لکھی گئی ہے۔ (یہ تینوں کتابیں کلکتہ میں چھپ گئی ہیں۔)

واقعات عالم گیری: عاقل خاں کی تصنیف ہے، جو عالم گیری امرا میں ہے، یہ کتاب گو عالم گیر کے زمانہ میں لکھی گئی ہے لیکن اس سے چھپا کر لکھی گئی، چنانچہ خافی خاں نے خود تصریح کی ہے اور اس بنا پر نہایت آزادی سے پوست کندہ حالات لکھے ہیں۔

سفر نامہ ڈاکٹر برنیر: اس نے اپنے چشم دید حالات لکھے ہیں۔

فیاض القوانین: اس میں سلاطین ہندوستان و ایران اور مرزا مراد، شجاع، عالم گیر اور امرائے تیموریہ کے خطوط ہیں، مرزا مراد کے خطوط عین اس حالت کے ہیں جب وہ عالم گیر کے ساتھ مل کر دارا شکوہ کے ساتھ مقابلہ پر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا، ان خطوط اور

فرامین کو ملا فیاض نے ۱۱۳۴ھ میں جمع کیا تھا، اس کا قلمی نسخہ ہمارے دوست نواب علی حسن خاں کے کتب خانے میں موجود ہے اور ہمارے پیش نظر ہے۔

ان میں پہلی اور دوسری کتاب میں اگرچہ تفصیلی حالات ہیں اور وہ عالم گیر کی حمایت کے لیے زیادہ مفید ہیں لیکن ہم اس لیے ان سے استناد نہیں کر سکتے کہ عالم گیر نامہ گویا خود عالم گیر کی تصنیف ہے، اور مآثر کا وہ حصہ جس میں واقعات متنازعہ ہیں، عالم گیر نامہ ہی سے ماخوذ ہے، ان کتابوں سے ہم صرف ان موقعوں پر استناد کریں گے جہاں اور مؤرخین بھی ان کے ہم زبان ہیں، شیعہ اور سنی کا تفرقہ کرنا اگرچہ ہم کو نہایت ناگوار ہے اور ہم ان دشمنانِ قوم کو نہایت کمینہ خصلت سمجھتے ہیں جو اسلامی فرقوں میں باہم ناگواری پیدا کرتے ہیں، یہاں تک کہ بعضوں نے ان کو معاش کا ذریعہ بنالیا ہے لیکن واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ عالم گیر سنی تھا اور اس کے تمام مؤرخین یعنی نعمت خاں، کاظم شیرازی، عاقل خاں، خافی خاں شیعی تھے، اس سے یہ غرض نہیں کہ ان مؤرخین کا بیان اختلاف مذہب کی بنا پر ناقابل اعتبار ہے، غرض یہ ہے کہ ایشیائی مؤرخین کی طبیعتوں پر اختلاف مذہب کا خواہ مخواہ اثر پڑتا ہے اور سچ پوچھو تو یورپ کے مؤرخین بھی اس اثر سے خالی نہیں، صرف یہ فرق ہے کہ یورپین مؤرخین جس حسن سے تعصب کا استعمال کرتے ہیں، ایشیائی مؤرخ نہیں کر سکتے۔

شاہ جہاں کی قید شاہ جہاں کی قید کا الزام اگرچہ ایسا مہتم بالشان واقعہ ہے جس کے لیے مستقل اور جداگانہ عنوان قائم کرنا چاہیے تھا لیکن اس کا سلسلہ دارا شکوہ کے واقعہ سے اس قدر ملا ہوا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔

دارا شکوہ[1] شاہ جہاں کا سب سے بڑا اور سب سے چہیتا بیٹا تھا، ۷ر ذی الحجہ ۱۰۶۷ھ میں شاہ جہاں حبس بول کے عارضہ میں گرفتار ہو کر کاروبار سلطنت سے معذور ہو

---

[1] یہ مسلسل واقعات تمام تر خافی خاں سے لیے گئے ہیں، جہاں کوئی بات اس سے الگ ہے وہاں خاص ماخذ کا حوالہ دے دیا ہے۔

گیا، داراشکوہ نے موقع پا کر عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مرزا شجاع، مراد عالم گیر کے جو سفرا دربار میں رہتے تھے، ان کو بلا کر مچلکا لیا کہ دربار کی کوئی خبر بھیجنے نہ پائیں، اس کے ساتھ بنگال، گجرات اور دکن کے راستے بند کرادیے کہ مسافر آنے جانے نہ پائیں، جس سے مقصد یہ تھا کہ مراد، شجاع اور عالم گیر کو، جو ان صوبوں میں حکومت پر مامور تھے، خبر نہ ہونے پائے لیکن یہ واقعہ ایسا نہ تھا کہ چھپائے چھپ سکتا، چنانچہ تمام صوبوں میں خبر پہنچ گئی اور تمام ملک میں بغاوتیں برپا ہونے لگیں، سب سے پہلے شجاع نے، جو داراشکوہ سے چھوٹا اور عالم گیر سے بڑا تھا، بنگال میں اپنی بادشاہی کا اعلان دے دیا، اسی طرح مراد نے احمد آباد اور گجرات میں سکہ وخطبہ جاری کیا لیکن عالم گیر نے کسی قسم کی خودسری اختیار نہیں کی، عالم گیر اس زمانہ میں شاہ جہاں کے حکم سے گلبرگہ کے محاصرہ میں مصروف تھا اور قریب تھا کہ وہ فتح ہو جائے، دفعتاً ان تمام افسروں کے نام، جو عالم گیر کی فوج میں شامل تھے، داراشکوہ نے شاہ جہاں کی طرف سے حکم بھجوایا کہ فوراً عالم گیر کا ساتھ چھوڑ کر دربار میں چلے آئیں، مجبوراً عالم گیر نے والی بیجاپور سے ایک کروڑ روپیہ نذرانہ پر صلح کرلی اور یہ مہم ناتمام رہ گئی، داراشکوہ نے اسی پر قناعت نہ کی، بلکہ عیسیٰ بیگ کو جو عالم گیر کی طرف سے پایہ تخت میں سفیر تھا، قید کر کے اس کا گھر ضبط کرلیا، اسی کے ساتھ مہاراجہ جسونت سنگھ والی جودھ پور کو فوج اور توپ خانہ دے کر گجرات کی طرف روانہ کیا کہ عالم گیر اپنی جگہ سے اگر حرکت کرے تو اس سے معرکہ آرا ہو۔

عالم گیر جمادی الاول ۱۰۶۸ھ کی بارھویں تاریخ یعنی شاہ جہاں کی بیماری کے پانچویں مہینے بیجاپور سے روانہ ہو کر ۲۵ر کو برہان پور میں آیا، یہاں ایک مہینہ تک ٹھہرا اور پایہ تخت کی خبریں بہم پہنچاتا رہا، اس سے پہلے مرزا مراد سے قرارداد ہو چکی تھی کہ فلاں مقام پر دونوں کا اجتماع ہوگا، چنانچہ ۲۰ر رجب ۱۰۶۸ھ کو دونوں بھائی دیال پور میں نربدا اتر کر ملے، یہ خبر سن کر مہاراجہ جسونت سنگھ فوجیں لیے ہوئے آگے بڑھا اور عالم گیر کے پڑاؤ سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر خیمہ زن ہوا، عالم گیر نے کب کلس برہمن کو، جو بھاکا کا مشہور شاعر تھا،

راجہ کے پاس بھیجا کہ ہم لوگ صرف والد قبلہ کی عیادت کی غرض سے جارہے ہیں، آپ سد راہ نہ ہوجئے لیکن راجہ نے نہ مانا اور سخت معرکہ ہوا، راجہ نے شکست کھائی اور وطن کی طرف بھاگا، تاریخ میں یہ واقعہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ راجہ جب بھاگ کر وطن میں پہنچا تو اس کی بیوی نے اس کو اپنے پاس آنے نہ دیا اور تمام عمر کبھی اس سے ہم بستر نہیں[1] ہوئی کہ پیٹھ دکھانے والا میری ہم صحبتی کے قابل نہیں۔

شاہ جہاں آگرہ سے دلی جارہا تھا کہ جسونت سنگھ کی شکست کی خبر پہنچی، ہر چند شاہ جہاں کو آگرہ کی آب و ہوا ناموافق تھی اور اس وجہ سے آگرہ کو واپس آنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس وقت وہ مردہ بدست زندہ تھا، داراشکوہ اس کو الٹا آگرہ میں لایا اور خود ساٹھ ہزار سوار کے ساتھ عالم گیر کے مقابلہ کو نکلا، شاہ جہاں نے بار بار نہایت اصرار کے ساتھ سمجھایا کہ تمہارا جانا خلاف مصلحت ہے، میں خود اس فتنہ کو جا کر فرو کردیتا ہوں، چنانچہ حکم دیا کہ پیش خیمہ باہر نصب کیا جائے لیکن داراشکوہ نے جانے نہ دیا اور ۱۶/شعبان ۱۰۶۸ھ کو آگرہ سے روانہ ہو کر سموگڑھ میں خیمہ زن ہوا، جہاں عالم گیر اور مرزا مراد فوجیں لیے ہوئے پڑے تھے، بڑے زوروشور کا معرکہ ہوا، نتیجہ عالم گیر کی فتح تھی، اس معرکہ میں مرزا مراد نے اس ثابت قدمی سے جنگ کی کہ اگرچہ اس کے ہاتھی کا ہودہ تیروں سے چھلنی ہوگیا تھا اور خود لہولہان ہوگیا تھا تاہم پہاڑ کی طرح ڈٹا ہوا تیر برساتا رہا، یہ ہودہ فرخ سیر کے زمانے تک یادگار کے طور پر قلعہ میں محفوظ رہا اور جب سادات بارہہ نے سرکشی کی تو بادشاہ بیگم نے (عالم گیر کی بیٹی) اسی ہودہ کو دکھا کر کہا کہ یہ تیموری نسل کی یادگاریں ہیں۔

داراشکوہ نے آگرہ میں جا کر دم لیا اور شرم کے مارے شاہ جہاں کے پاس نہ گیا، شاہ جہاں نے مشورہ اور صلاح کے لیے بار بار بلوایا لیکن داراشکوہ اسی رات اہل وعیال کے ساتھ نکل کر لاہور کے ارادے سے دلی روانہ ہوا[2]۔

---

[1] منتخب اللباب، جلد دوم، ص ۴۳ [2] منتخب اللباب، جلد دوم، ص ۳۰-۳۱۔

۷ار رمضان ۱۰۶۸ھ کو عالم گیر نے شہزادہ محمد سلطان کو بھیجا کہ قلعہ شاہی پر جا کر قبضہ کرے اور شاہ جہاں کی خدمت میں عرض کرے کہ حضور اب قلعہ سے باہر تشریف نہ لائیں، یہی آخری واقعہ ہے جو عالم گیر کے اخلاقی مرقع کی سب سے زیادہ بدنما تصویر ہے۔

تمام واقعات کا یہ سرسری خاکہ ہے جو سرتاپا خافی خاں کے بیان سے ماخوذ ہے، اصل بحث کے طے کرنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے ہم کو شاہ جہاں سے رخصت ہو کر داراشکوہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

واقعات گذشتہ میں داراشکوہ کے کارنامے حسب ذیل ہیں:

۱- شاہ جہاں کے بیمار ہونے کے ساتھ مرزا مراد، عالم گیر اور شجاع کے جو وکلا شاہ جہاں کے دربار میں رہتے تھے، ان سے مچلکا لیا کہ شاہ جہاں اور دربار کے حالات نہ لکھنے پائیں۔

۲- بنگال، گجرات اور دکن کے راستہ بند کرا دیے کہ مسافروں کے ذریعہ سے کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔

۳- عالم گیر کے وکیل کا گھر ضبط کر کے اس کو قید کر دیا۔

۴- عالم گیر جب بیجاپور کے محاصرہ میں مشغول تھا تو تمام افسروں کو، جو اس کے ساتھ تھے، بلوا لیا۔

۵- بغیر اس کے کہ کسی شہزادے کی طرف سے پیش قدمی ہو مراد، عالم گیر اور شجاع کے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کیں۔

یہ وہ واقعات ہیں جن سے کسی مؤرخ کو انکار نہیں لیکن مزید اطمینان کے لیے بعض ضروری واقعات کے متعلق نہایت مستند شہادتیں بھی نقل کرتے ہیں:

عین محاصرہ گلبرگہ کے وقت عالم گیر کے افسروں اور فوج کو بلوا لینا

"دریں اثنا دو قطعہ فرمان کہ حسب الالتماس داراشکوہ بنام مہابت خاں و راو ستر سال از درگاہ عالم پناہ شرف اصدار پذیرفتہ بود پرتو صدور یافت در مناشیر مطاعہ اندراج یافتہ

بود کہ مہابت خاں ورا دستر سال باکل راجپوتیہ اصلا برخصت شاہ زادہ والا گہر (یعنی عالم گیر) مقید نشدہ روانہ کردند، ازیں راہ وہن وستی تمام بحال اردوے معلے شاہی (یعنی عالم گیر) راہ یافتہ استقلال وبنائے ثبات وقرار جنود نصرت موعود متزلزل ومتخلل گردید[1]۔''

ان سب باتوں پر بھی عالم گیر نے کسی قسم کی پیش دستی نہ کی، بلکہ جب مراد اور شجاع نے اپنے اپنے صوبوں میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا تب بھی عالم گیر نے کوئی کارروائی نہ کی، بلکہ مراد کو خط لکھا کہ ابھی حضور اقدس زندہ ہیں، ہم لوگوں کو اپنی جگہ سے ہلنا نامناسب ہے اور سورت پر تم نے جو فوج بھیجی یہ نامناسب تھا، چنانچہ مراد نے عالم گیر کو جو خط لکھا ہے اس میں لکھتا ہے:

''آنچہ اندراج یافتہ کہ چوں تا حال خبر وقوع قضیہ ناگزیر (یعنی شاہ جہاں کی وفات) بما نرسیدہ بلکہ آثارِ صحت ظاہر مے شود از جائے خود حرکت کردن وبا ظہار بعضے مراتب پرداختن مناسب نمی نماید، اگر آں برادر نیز بعد از تحقیق اخبار افواج بہ سورت می فرستادند و دریں کار تعجیل نمے رفت بہتر بود، الی آخرہ[2]۔''

عالم گیر و مراد کے وکلا کا نظر بند کرنا اور واقعہ نویسی سے روکنا

''وکلائے ما برادران بمعنی نظر بند اند کہ ملحد (یعنی دارا شکوہ) جمعے را گماشتہ کہ در حضر وسفر بر دور خانہ آنہا می باشند ومقرر نمودہ کہ اخبار وسوانح آنجا را مطابق گفتہ میر صالح برادر روشن قلم بہ ما بنویسید[3]۔''

عالم گیر کے وکیل کا گھر ضبط کرنا

عیسیٰ بیگ وکیل سرکار (یعنی عالم گیر) را بے عیسیٰ بیگ وکیل سرکار (یعنی عالم گیر) کا مال و

[1] عاقل خاں رازی، واقعات عالم گیری، ص ۱۷-۱۸، چغتائی ایڈیشن، علامہ شبلی کے پیش نظر واقعات عالم گیری کا جو مخطوطہ تھا وہ دست یاب نہ ہوسکا، دوسرے مطبوعہ نسخوں میں عبارتیں قدرے مختلف ہیں، تاہم ان عبارتوں کا مفہوم تقریباً یکساں ہے۔ اس لیے یہ حوالے دے دیے گئے ہیں۔ [2] ملا فیاض، فیاض القوانین (قلمی) [3] ایضاً۔

صدور جرمے محبوس ساختہ بہ ضبط اموال وامتعہ او فرمان دادند[1] | متاع بلا کسی جرم کے ضبط کیا گیا اور اسے قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔

واقعات مذکورہ بالا کے ثابت ہونے کے بعد اب سوال یہ ہے کہ آغاز کارروائی سے اخیر تک دارا شکوہ اور عالم گیر دونوں میں سے کون تقصیروار ہے، خبروں کا روکنا، عالم گیر کے وکلا کا نظر بند کرنا، عالم گیر کی جاگیر کا ضبط کرنا، عین جنگ کی حالت میں عالم گیر کے امرا اور فوج کا اس کے پاس سے بلوالینا[2]، مہاراجہ جسونت سنگھ کو عالم گیر کے مقابلہ پر مامور کرنا کیسے افعال ہیں؟ اور کیا ان میں سے کسی فعل کے جائز ہونے کی کوئی وجہ بتائی جاسکتی ہے، تم کہہ سکتے ہو یہ سب دارا شکوہ کے افعال ہیں، ان کو شاہ جہاں کے واقعہ کی بحث میں پیش کرنا کس قدر غلط طریق استدلال ہے لیکن عالم گیر کی تمام کارروائیاں جو اب تک اس نے کیں، یعنی دکن سے روانہ ہوا، راہ میں جسونت سنگھ نے دارا شکوہ کی طرف سے روکا تو اس کو لڑ کر شکست دی، آگرہ میں آیا، یہ سب دارا شکوہ ہی کے مقابل میں تھیں، شاہ جہاں کی بحث میں ان واقعات کا ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ سادہ دل مؤرخین ان واقعات کو بھی اس بنا پر عالم گیر کی ناسزا حرکات میں شمار کرتے ہیں کہ یہ سب باتیں گویا شاہ جہاں ہمہ تن مجبور ہو کر دارا شکوہ کے قبضہ میں آ گیا تھا اور وہ جو کچھ چاہتا تھا، شاہ جہاں کے نام سے کرتا تھا، خافی خاں کے بیان میں اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ شاہ جہاں آگرہ میں نہیں آنا چاہتا تھا، دارا شکوہ نے مجبور کیا، دارا شکوہ جب فوج لے کر چلا تو شاہ جہاں نے بہت روکا لیکن دارا شکوہ نے نہ مانا، شاہ جہاں نے عالم گیر کے معاملہ طے کرنے کے لیے خود جانا چاہا، دارا شکوہ نے نہ جانے دیا، ڈاکٹر برنیر اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے:

> ''ان دنوں شاہ جہاں کا فی الواقع بہت پتلا حال تھا اور علاوہ شدائد اور تکالیف مرض کے وہ حقیقتاً دارا شکوہ کے پنجہ سرکشی میں پھنسا ہوا تھا[3]۔''

---

[1] مآثر عالم گیری، ص ۴ [2] صوبہ برار عالم گیر کی جاگیر میں تھا، دارا شکوہ نے اس کو ضبط کرلیا، مراد بخش کے خطوط میں بار بار اس کا ذکر آیا ہے۔ فیاض القوانین [3] سفرنامہ برنیر، ج ۱، ص ۶۵۔

مراد ایک خط میں عالم گیر کو لکھتا ہے:

''اما بہ اجمال ظاہر شد کہ آں طرف (یعنی داراشکوہ) استقلال و تسلط تمامی کہ نداشت یافتہ حل وعقد امور حضور اقدس (شاہ جہاں) بہ قبضہ اقتدار خواہد آورد۔''

ان سب سے بڑھ کر یہ کہ داراشکوہ نے یہ مشق بہم پہنچائی تھی کہ شاہ جہاں کے خط میں بالکل خط ملا دیتا تھا اور فرامین پر شاہ جہاں کے دست خط اپنے ہاتھ سے بنا تا تھا، مراد ایک خط میں عالم گیر کو لکھتا ہے:

وملحد (داراشکوہ) خود تقلید خط اقدس (شاہ جہاں) را بہ مرتبہ کمال رسانیدہ بر فرامین دستخط خودے کند۔[1]	ملحد داراشکوہ نے خط شاہ جہانی میں کمال حاصل کر لیا ہے اور فرامین پر خود دست خط بنا دیتا ہے۔

ان موقعوں پر مراد کا بیان اس کے لیے کافی وثوق کے قابل ہے کہ وہ یہ واقعات عالم گیر کو لکھ رہا ہے، اس لیے یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ عوام کے دھوکا دینے کے لیے لکھتا ہو، مراد اور عالم گیر اس وقت تک ہم راز اور ہم درد ہیں۔

واقعات مذکورہ کی بنا پر عالم گیر کو صرف ان ہی احکام کی پابندی ضرور تھی جو شاہ جہاں کے اصلی احکام تھے اور یہ ظاہر ہے کہ جسونت سنگھ کا عالم گیر کے مقابلہ پر بھیجنا داراشکوہ کی شرارت تھی، شاہ جہاں اس پر راضی نہ تھا۔

داراشکوہ کے مقابلہ میں عالم گیر کا آمادۂ جنگ ہونا حفاظت خود اختیاری کا ضروری فرض تھا۔

ڈاکٹر برنیر عالم گیر کا سب سے بڑا دشمن ہے، تاہم ان بھائیوں کے ارادۂ جنگ کے متعلق لکھتا ہے:

''واقعی ان کو اپنے اس ارادہ سے دست بردار ہونا مشکل بھی تھا، کیوں کی فتح یابی

---

[1] مراد کے خطوط کی عبارتیں مکاتیب تیموریہ سے نقل کی گئی ہیں، جس کا نام فیاض القوانین ہے۔

کی حالت میں تو تخت کی امید تھی اور شکست کی صورت میں جان جانے کا یقین کلی تھا اور اب صرف دو ہی باتیں تھیں یا موت یا سلطنت اور جس طرح شاہ جہاں اپنے بھائیوں کے خون سے ہاتھ بھر کر تخت نشین ہوا تھا، اسی طرح ان کو یقین واثق تھا کہ اگر ہم اپنی امیدوں میں ناکامیاب رہیں گے تو غالب اور فتح یاب حریف حسد کے مارے ہم کو ضرور قتل کرا دے گا[۱]۔"

لین پول صاحب لکھتے ہیں:

"اورنگ زیب یہ ضرور جانتا ہوگا کہ بھائیوں میں کسی ایک کی تخت نشینی سے یا تو وہ قید کر لیا جائے گا یا مارا جائے گا اور اس نے اپنے دل میں ایک مصمم ارادہ کر لیا ہوگا، حفاظت خود اختیاری میں اس کا فرض تھا کہ حصولِ بادشاہت کے لیے وہ بھی ایک نیلامی بولی بولے[۲]۔"

بہر حال عالم گیر جسونت سنگھ اور داراشکوہ سے لڑا اور ان کو شکست دی لیکن ایک عرض داشت کے ذریعہ سے شاہ جہاں کو تمام واقعات کی خبر دی، شاہ جہاں نے دست خاص سے تسلی نامہ لکھ کر بھیجا، پھر انعام کے طور پر ایک تلوار بھیجی، جس پر عالم گیر کا لفظ منقوش تھا، چنانچہ خافی خاں نے ان واقعات کو تفصیلاً لکھا ہے۔

عالم گیر کا نکتہ چیں اس موقع پر یہ کہہ سکتا ہے کہ عالم گیر نے جو کچھ کیا حفاظت خود اختیاری کی وجہ سے کیا لیکن وہ جسونت سنگھ کو شکست دے کر آگرہ کے قریب پہنچ گیا اور شاہ جہاں نے اس کو بار بار بلایا اور نہایت شفقت آمیز خط لکھے، تحفے اور انعام بھیجے اور سب سے بڑھ کر سلطنت کی تقسیم اس طرح کرنی چاہی جس سے بڑھ کر عالم گیر کے حق میں کوئی بات نہیں ہوسکتی تھی، یعنی یہ کہ داراشکوہ کو پنجاب و کابل اور مراد کو گجرات اور شجاع کو بنگال دیا جائے اور عالم گیر کو ولی عہدی کا منصب اور پایہ تخت کی سلطنت دی جائے، تو اس حالت میں باپ کی نافرمانی کرنا، گستاخی سے پیش آنا اور بالآخر قلعہ میں بند کر دینا اخلاق کے مذہب میں کفر سے بدتر ہے۔

---

۱ سفرنامہ برنیر، جلد اول، ص ۴۶-۴۷ ۲ اورنگ زیب، مصنفہ لین پول، (اردو ترجمہ) ص ۳۱۔

لیکن تحقیق طلب یہ ہے کہ کیا شاہ جہاں فی الواقع وہی کرنا چاہتا تھا جو کہتا تھا؟ اسلامی تعلق سے شاہ جہاں اور عالم گیر دونوں یکساں واجب التعظیم ہیں، گو وہ خلیفہ نہیں لیکن لغوی معنوں میں (نہ شرعی) امیر المومنین ہیں، میرا دل دکھتا ہے کہ ان میں سے کسی کو ملزم ٹھہراؤں لیکن سچائی اور تاریخ نویسی کا کیا فرض ہے؟ شاہ جہاں اور عالم گیر دونوں قابل ادب ہیں لیکن دونوں سے بڑھ کر بھی ایک چیز ہے ''حق اور راستی'' اور مجھ کو اسی اعلا تر چیز کے سامنے گردن جھکا دینی چاہیے۔

تمام مؤرخین میں عاقل خاں نے اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے، عالم گیر کے نام شاہ جہاں کے درد انگیز خطوط، جن سے پتھر کا دل پانی ہو جاتا ہے، بعینہٖ نقل کیے ہیں، نواب شہزادی جہاں آرا بیگم کے اشارہ سے جو خط عالم گیر کو لکھا ہے، وہ بھی نقل کیا ہے، عالم گیر کو جو لوگ شاہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتے تھے، ان کو فتنہ پرداز اور مفسد سے تعبیر کیا ہے اور تمام داستان اس تفصیل، اس زور اور اس درد کے ساتھ لکھی ہے کہ پڑھنے والے کے منھ سے بے اختیار عالم گیر کے حق میں نفریں نکل جاتی ہے لیکن بالآخر جب یہ موقع آتا ہے کہ عالم گیر باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے قیام گاہ سے نکلتا ہے اور اس کے مقربین اس کو روکتے ہیں تو اس مؤرخ عاقل خاں کو یہ لکھنا پڑتا ہے:

دریں اثنا کہ آنحضرت (عالم گیر) سمع مبارک بہ سخنان دولت سگالاں داشتہ متردد بودند ناگاہ ناہر دل خاں چیلہ برسید فرمانے کہ بندگانِ اعلیٰ حضرت (شاہ جہاں) بخط مبارک بہ دارا شکوہ نوشتہ از راہِ اعتماد بہ کمالِ اہتمام و احتیاط بدو حوالہ فرمودند کہ اصلا احدے را بریں راز موقوف نداده خود را بہ عنوان شبگیر و یلغار بہ دارالخلافت

عین اس وقت کہ عالم گیر خیر خواہان دولت کی باتیں سن کر سوچ رہا تھا کہ کیا کیا جائے دفعتاً ناہر نادل خاں چیلہ سامنے سے نکلا، شاہ جہاں نے خود اپنے ہاتھ سے دارا شکوہ کے نام خط لکھ کر بڑی احتیاط سے اس کے حوالے کیا تھا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پائے اور یلغار کرتے ہوئے دارا شکوہ کے پاس سے جواب

شاہ جہاں آباد نزد دارا شکوہ رساند و فرمان را بہ آنجناب رسانیدہ جواب بیارد و در نظر انور حضرت جہاں پناہی درآورد و مضمون آں منشور ناطق بداں بود کہ دارا شکوہ خاطر خود را جمع کردہ در شاہ جہاں آباد ثبات قدم ورزد و از آنجا بیش تر نگذرد کہ ما درایں جا مہم را فیصل می فرمائم ایں فرمان مصدق و مصداق قول خیر خواہاں آمدہ[1]۔

لاؤ، خط کا مطلب یہ تھا کہ تم (دارا شکوہ) مطمئن ہو کر دلی سے آگے نہ بڑھو اور وہیں قیام کرو، ہم یہاں قصہ فیصل کیے دیتے ہیں۔

اس خط سے عالم گیر کے ہوا خواہوں کی رائے کی بالکل تصدیق ہوگئی، مآثر الامرا میں بھی یہ واقعہ نہایت تفصیل سے لکھا ہے، اخیر کے فقرے یہ ہیں:

''دریں اثنا کہ خلد مکاں (عالم گیر) گوش بر سخنان دولت سگالاں داشتہ متردد بود ناہر دل چیلہ رسید و فرمانے کہ اعلیٰ حضرت بہ خط خود بہ دارا شکوہ نوشتہ از روئے اعتماد بدو حوالہ نمودہ بود (کہ خود بہ عنوان سبک روی بہ شاہ جہاں آباد نزد دارا شکوہ رسانیدہ جواب بیارد) آوردہ گزرانید مضمون آں کہ او لشکر ہا فراہم آوردہ در دہلی ثباتِ قدم ورزد ما درایں جا مہم را فیصل می فرمائم[2]''

ایک غیر قوم کا شخص جو عالم گیر کا پورا دشمن تھا اور ان تمام جھگڑوں میں موجود تھا، اس کے بیان سے اس اجمال کی گرہ کھل جاتی ہے، وہ لکھتا ہے:

''شاہ جہاں نے ایک معتبر خواجہ سرا کو اورنگ زیب کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بے شک دارا شکوہ نے جو کچھ کیا سب نامناسب تھا اور اس کی بے سمجھی اور نالائقی کی باتیں یاد دلا کر کہا کہ تم پر تو ہم ابتدا ہی سے دلی شفقت رکھتے ہیں، پس تم کو ہمارے پاس جلد آنا چاہیے تا کہ تمہارے مشورے سے ان امور کا انتظام کیا جائے جو اس افراتفری کے باعث خراب اور ابتر پڑے ہوئے ہیں مگر اس محتاط شہزادہ (یعنی عالم گیر) نے بدگمانی سے بادشاہ پر اعتماد کر کے

---

[1] دیکھیے واقعات عالم گیری، ص ۶۲-۶۳، چغتائی ایڈیشن لاہور [2] مآثر الامرا، جلد دوم، ص ۶۹۷۔

قلعہ میں چلے جانے کی دلیری نہ کی کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ بیگم صاحب (یعنی جہاں آرا بیگم) کسی وقت بادشاہ سے جدا نہیں ہوتی اور ان کے مزاج پر اس قدر حاوی ہے کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے وہی ہوتا ہے اور یہ پیغام اس کا ایک چکمہ ہے اور اس نے قلماقنیوں (تاتاری عورتیں) میں سے جو محل سرا میں چوکی پہرہ کے کام پر متعین رہتی ہیں، کچھ قوی ہیکل اور مضبوط اور مسلح عورتیں اس قصد سے لگا رکھی ہیں کہ جب وہ قلعہ میں داخل ہو تو فوراً اس پر آن پڑیں[1]۔"

لین پول صاحب نے سچ لکھا ہے کہ اس جال میں جو شاہ جہاں نے اپنے بیٹے کے پھانسنے کو بچھایا، شاہ جہاں خود پھنس گیا[2]۔

عالم گیر نے بارہا شاہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہو کر عفو قصور کرانا چاہا، لیکن شاہ جہاں اب بھی دارا شکوہ کا خواب دیکھتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ جہاں آرا بیگم جو شاہ جہاں کی دنیا میں سب سے بڑھ کر عزیز تھی، دارا شکوہ کی نہایت طرف دار تھی، شاہ جہاں نے ہندی زبان میں خفیہ ایک خط شجاع کو عالم گیر کے برخلاف لکھا اور اس قسم کی اس کی کوششیں برابر جاری رہیں، عالم گیر اب مایوس ہو کر بیٹھ رہا، خافی خاں لکھتا ہے:

خلد مکاں (عالم گیر) مکرر ارادہ دیدن پدر والا قدر بہ قصد معذرت و التماس عفو تقصیرات از تقدیرات الٰہی و شومیِ برادر ناہنجار بلا اختیار بہ ظہور آمدہ نمودند آخر چوں دانستن کہ مرضی اعلیٰ حضرت (شاہ جہاں) طرف رعایت و اعانت دارا شکوہ غالب و راغب است و سر رشتہ اختیار برحکم قلم تقدیر از دست رفتہ مصلحت در فسخ عزیمت ملاقات پدر نامدار دانستہ[3]۔

عالم گیر نے دوبارہ معذرت اور عفو تقصیرات کے ارادہ سے باپ کی ملاقات کا قصد کیا، مگر جب دیکھا کہ باپ کی نظر دارا شکوہ کی طرف غالب و راغب ہے تو اسے بدقسمتی اور تقدیر الٰہی سمجھ کر باپ سے ملاقات کا ارادہ ترک کر دیا۔

---

[1] سفر نامہ ڈاکٹر برنیر، اردو ترجمہ، جلد اول، ص ۱۱۴ [2] لین پول (اردو ترجمہ) ص ۴۵ [3] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۳۴۔

اسی زمانہ میں شاہ جہاں نے ایک خط مہابت خاں سپہ سالار کو جو اس وقت کابل میں تھا، لکھا، یہ خط خافی خاں نے پورا نقل کیا ہے، اس کے چند فقرے یہ ہیں:

''چوں فرزند مظلوم داراشکوہ بعداز شکست روانہ لاہور شدہ، بہ مددو رفاقت داراشکوہ بعد ما پرداختہ بہ مقابلہ وجزائے اعمال ہر دو نابرخوردار (یعنی عالم گیر ومراد) پردازد۔''

شاہ جہاں کی ان تمام سازشی اور مخالفانہ کارروائیوں کے ساتھ بھی عالم گیر نے یہ سلوک کیا کہ اپنے بیٹے شاہزادہ اعظم کو شاہ جہاں کی خدمت میں عفو تقصیرات کے لیے بھیجا اور پانچ سو اشرفیاں اور چار ہزار روپے نذر بھیجے اور چند روز کے بعد جب قلعہ کی حفاظت کی طرف سے پورا اطمینان ہوگیا تو شاہ جہاں کے ہر قسم کے آرام وراحت کے سامان مہیا کردیے، ڈاکٹر برنیر کو بھی مجبوراً یہ شہادت دینی پڑی:

''غرض کہ اورنگ زیب کا برتاؤ شاہ جہاں کے ساتھ مہربانی اور ادب سے خالی نہ تھا اور حتی الامکان وہ اپنے بوڑھے باپ کی ہر طرح سے خاطر داری کرتا اور نہایت کثرت سے تحفے تحائف بھیجتا رہتا اور سلطنت کے بڑے بڑے معاملات میں اس کی رائے اور مشورہ کو مثل ایک پیرومرشد کی ہدایت کے طلب کرتا تھا اور اس کے عریضوں سے جو اکثر لکھتا رہتا تھا ادب اور فرماں برداری ظاہر ہوتی تھی، پس اس طرح سے شاہ جہاں کی گردن کشی اور اس کا غصہ آخر کار یہاں تک ٹھنڈا پڑ گیا کہ معاملات سلطنت میں بیٹے کو لکھنے پڑھنے لگ گیا اور داراشکوہ کی بیٹی کو بھی اس کے پاس بھیج دیا اور وہ بیش بہا جواہرات جن کو دینے سے پہلے انکار کرکے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر پھر مانگو گے تو کوٹ کر چوڑا کر ڈالوں گا، مگر دوں گا نہیں، ان میں سے بھی بعضے جواہرات اورنگ زیب کے پاس ازخود بھیج دیے، بلکہ اپنے باغی فرزند کی سب گستاخانہ حرکتیں معاف کرکے اس کے حق میں دعائے خیر بھی کردی[1]۔''

---

[1] سفرنامہ برنیر، جلد اول، ص ۲۸۹، اس کے بعد برنیر نے لکھا ہے کہ عالم گیر شاہ جہاں کی ہدایتوں کے برخلاف بھی کرتا تھا لیکن وہ عام سلطنت کے متعلق ہدایتوں کی مخالفت تھی، جس کو اس موقع سے کوئی تعلق نہیں۔

انصاف کرو شاہ جہاں اتنی بات پر برسوں جہاں گیر سے لڑتا رہا کہ اس شاہ جہاں کی جاگیر نور جہاں کو لے کر دے دی تھی، حالاں کہ اور ہر طرح کی عنایتیں بحال تھیں، تاہم شاہ جہاں نیک نام ہے، عالم گیر نے اس حالت میں کہ اس کی جاگیر چھین لی گئی، تنخواہ بند کردی گئی، عین دشمنوں کے مقابلہ کے وقت اس کی فوج اس کے پاس سے بلا لی گئی، ۷۵ ہزار فوج خود اس کے مقابلہ و مقاتلہ کے لیے روانہ ہوئی، قلعہ میں اس کے قتل کا بندوبست کیا گیا، ان سب باتوں کے ساتھ وہ شاہ جہاں کا نہایت ادب واحترام کرتا رہا، تاہم وہ بدنام ہے:

رند وصوفی ہمہ سرمست گذشتند وگذشت
قصہ ماست کہ در کوچہ و بازار بماند

مؤرخین کو اپنے محکمۂ عدالت میں اس بات کا بہت کم موقع حاصل ہوسکتا ہے کہ خود مجرم کا بیان تحریری بھی حاصل کرسکیں لیکن عالم گیر کی نسبت مؤرخ کو اس کا افسوس نہیں ہوسکتا، عالم گیر نے شاہ جہاں کو جو خطوط لکھے ہیں، ان میں ان الزامات کی خوب جواب دہی کی ہے، عالم گیر کو اس کے مخالفوں نے ہمیشہ سخن ساز اور متفنی بیان کیا ہے لیکن اب تمام واقعات ایک ایک کر کے سامنے آگئے ہیں اور راز ہائے سربستہ کے چہرہ سے نقاب اٹھ گئی ہے، اس لیے موقع ہے کہ عالم گیر کو عذرات کے پیش کرنے کا موقع دیا جائے، ہم اس کا اصل خط خافی خاں کی تحریر کے مطابق نقل کرتے ہیں، دیکھو اس سخن ساز اور متفنی شخص کا ایک حرف بھی سچائی کے مرکز سے ہٹا ہوا نہیں ہے:

”بعد ادائے مراسم عقیدت وعبودیت بہ عرض اشرف مے رساند صحیفہ کہ بخط خاص پس از تمادی ایام صادر شدہ بود پرتو ورود انداخت بمطالعہ ارقام سرمایہ سعادت حاصل کرد، کفتے کہ نگارش یافتہ بود بوضوح انجامید از سبب گرفت دیگر خطوط استفسار شدہ بود، برخاطر دریا مقاطر پوشیدہ نماند کہ ازیں مرید در ابتدائے حال وآغاز وقوع مراتبے کہ بہ تقدیر ایزد متعال روداده

باعتقاد آں کہ چوں آنحضرت عقل کل اند واکثر اوقات گرامی در تجارب پست و بلند روز گذشتہ، شاید ظہور ایں اموراز قضا و قدر دانستہ در شکست کار ایں مرید ورونق بازار دیگراں کہ ارادت اللہ بداں تعلق نہ گرفت کوشش نہ فرمایند سلوک را بہ نہجے مستحسن قرار دادہ بود ومی خواست کہ بعد رفع شورش در استرضائے خاطر والا کمر اہتمام بمیان جاں بستہ بداں وسیلہ سعادت دارین حاصل کند وہر چہ مے شنید کہ موجب ارتفاع غبار فساد و برہم خوردگی مہمات عباد بہ تحریک آنحضرت است و برادران بہ فرمودہ اقدس دست و پا می زنند و جانی مے کنند گوش بہ سخناں مردم نینداختہ اندیشہ انحراف از شاہ راہ عقیدت نمے نمود لیکن از انجا کہ اخبار بے توجہی حضرت بہ تواتر رسیدہ چنانچہ از نوشتہ کہ بخط ہندوی بہ شجاع قلمی گردیدہ بود دخاں وماں او برسر آں خراب گشتہ ہویداست یقین حاصل شد کہ آنحضرت ایں مرید رانمی خواہندہ وآں کہ از دست رفتہ ہنوز تلاش دارند کہ دیگر استقلال پذیرد وسعی و تردد ایں فدویکہ مصروف براجرائے احکام دین متین وانتظام مہمات مملکت است ضائع شود او بہ ہیچ طریق ازیں فکر باز نیامدہ دریں کار مصراند ناگزیر بہ مراعات لوازم حزم واحتیاط پرداختہ از حدوث مفسدہ ہائے ممتنع التدارک اندیشہ مند گشتہ انچہ بخاطر داشت نتوانست از قوۃ بہ فعل آورد و برصدق ایں دعوے خدائے توانا شاہد است...... انشاء اللہ تعالیٰ بعد ازاں کہ کار معانداں بہ یکے ازیں دو وجہ ساختہ شود، چراایں ہمہ عبث احتیاط خواہد نمود در باب آبدار زخانہ قلمی بود آب خاصہ در غسل خانہ دریں وقت کہ آنحضرت پیوستہ در محل مے باشد چہ در کار است، ومہر بر کارخانہ ملبوس نمودن از رہگذر تصدق شدن خواجہ معمور میشد الحال کہ دیگر بدیں عہدہ مامور گردید پوشاک مبارک بدستور سابق بی تعلل خواہد رسید[1]۔"

داراشکوہ کا قتل موافق اور مخالف دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ داراشکوہ اپنی بدتدبیری، خود رائی، کج طبعی کی وجہ سے اس قابل نہ تھا کہ تیمور کے تخت کا مالک ہوتا[2]، اس سے بھی کسی کو انکار

---

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۱۰۲-۱۰۴ [2] ڈاکٹر برنیر سے زیادہ کون شخص داراشکوہ کا دوست ہوسکتا ہے، اس نے سخت مصیبت کی حالت میں داراشکوہ کا ساتھ دیا تھا، تاہم وہ داراشکوہ کی ذاتی خوبیاں گنا کر لکھتا ہے: (بقیہ حاشیہ ص ۹۲ پر)

نہیں کہ بھائیوں کی جنگ میں ابتدا اس کی طرف سے ہوئی اور عالم گیر و مراد و شجاع کو مجبوراً اس کے حملوں کو روکنا پڑا، یہ بھی کچھ الزام کی بات نہیں کہ دارا شکوہ گرفتار کر کے دربار میں لایا گیا، لیکن اعتراض یہ ہے کہ یہ بالکل ممکن تھا کہ وہ کسی محفوظ مقام میں نظر بند رکھا جاتا، وہ کتنا ہی برا صحیح لیکن بھائی تھا اور بڑا بھائی تھا، اگر عالم گیر اس کے خون سے ہاتھ رنگین نہ کرتا تو اخلاقی مرقع میں اس کی تصویر اس قدر نفرت انگیز نہ ہوتی۔

بے شبہ یہ اعتراض بظاہر نہایت قوی ہے لیکن تیموری خاندان بلکہ تمام ایشیائی سلطنتوں میں مدعیان سلطنت قید اور نظر بند ہو کر بھی سلطنت کے منصوبوں سے دست بردار نہیں ہوتے، اس کے ساتھ ان کے طرف داروں کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہتا ہے اور اس وقت تک نچلا نہیں بیٹھتا جب تک کہ نخل آرزو کے تمام رگ و ریشے کٹ نہ جائیں، تم نے تمام تاریخوں میں پڑھا ہوگا کہ دارا شکوہ جب دہلی میں گرفتار ہو کر آیا ہے اور بازار میں اسی حالت سے نکلا ہے تو تمام شہر میں ہنگامہ برپا تھا، زن و مرد دھاڑیں مار مار کر روتے تھے، بالاخانوں سے سرکاری آدمیوں پر پتھر اور ڈھیلے پھینکے جاتے تھے، ملک جیون پر، جس نے دارا کو گرفتار کیا تھا، گالیوں کا مینھ برس رہا تھا، ظاہر بیں خیال کرتے ہیں کہ یہ دارا شکوہ کی ہر دل عزیزی کا

(بقیہ حاشیہ ص ۹۱) ''مگر بایں ہمہ بڑا ہی خود پسند اور خود رائے تھا اور اس کو یہ گھمنڈ تھا کہ میں اپنی عقل کی رسائی اور خوش تدبیری سے ہر امر کا بندوبست اور انتظام کر سکتا ہوں اور کوئی فرد بشر ایسا نہیں جو مجھے صلاح و مشورہ دے سکے، وہ ان لوگوں سے جو اس کو ڈرتے ڈرتے کوئی صلاح دینے کی جرأت کر بیٹھتے تھے، تحقیر اور اہانت سے پیش آتا تھا، چنانچہ اس ناپسندیدہ سلوک ہی کے سبب سے اس کے دلی خیر خواہ بھی اس کے بھائیوں کی پوشیدہ اور مخفی بندشوں سے اسے آگاہ نہ کر سکے، وہ ڈرانے اور دھمکانے میں بڑا تیز تھا، یہاں تک کہ بڑے بڑے امرا کو برا بھلا کہہ بیٹھتا اور ان کی ہتک کر ڈالتا تھا لیکن اس کا غصہ اور بدمزاجی ایک آن کی آن میں جاتی رہتی تھی، (سفر نامہ برنیر، ج ۱، ص ۱۱-۱۲) کیا ایسا سبک سر سلطنت کے بار گراں اٹھانے کے قابل تھا؟

اثر تھا اور اس لیے اس کا مالک تاج و تخت ہونا زیادہ موزوں تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ایک فتنہ گر کا شعبدہ تھا، خافی خاں لکھتا ہے:

روز دیگر کہ کوتوال بموجب حکم درپئے تحقیق بانی آں فساد پرداخت ظاہر شد کہ ہیبت نام احدے پیش قدم ایں جرأت گشتہ مادہ فساد و آشوب تمام شہر گردیدہ بود[1]۔

دوسرے روز حکم کے مطابق جب کوتوال نے اس فساد کے متعلق تحقیقات کیں تو معلوم ہوا کہ ہیبت خاں اسی شہر میں فساد اور ہنگامہ پھیلانے کا سبب بنا تھا۔

بے شبہ لوگوں کو خود بھی رقت ہوئی ہوگی لیکن یہ ملکی ہر دل عزیزی کا ثبوت نہیں ہے، دارا شکوہ جس شان و شوکت کا شہزادہ تھا، جس کروفر سے اس کی سواری شہر میں لوگوں نے نکلتی دیکھی تھی، جس طرح وہ روپے برساتا ہوا بازار سے گزرا کرتا تھا، اس کے مقابلہ میں لوگوں نے اس کو شکستہ حال، پابہ زنجیر، بے کس و بے یار بازار سے گزرتے دیکھا ہوگا تو کون سنگ دل ہوگا جس کے دل سے آہ نہ نکل گئی ہوگی، اس وقت اس فیصلہ کرنے کا کیا وقت تھا کہ وہ تخت شاہی کے قابل بھی ہے یا نہیں؟ ایسی حالتوں میں تو دشمن کے لیے بھی آنسو نکل آتے ہیں اور دارا شکوہ تو پھر بھی صاحبقران ثانی کا شہزادہ اعظم تھا۔

یہ قطعی ہے کہ دارا شکوہ جب تک زندہ رہتا، سازشیں برپا رہتیں اور ملک کو امن و امان نصیب نہ ہوتا، اس لیے عالم گیر کو وہی کرنا پڑا جو خود اس کے باپ شاہ جہاں سے اس کو ترکہ میں ملا تھا، شاہ جہاں نے اپنے بھائیوں (داور بخش و شہریار) اور حقیقی بھتیجوں (ہوشنگ وغیرہ) کو قتل کرادیا تھا، عالم گیر کو بھی اس قسم کی بھینٹ چڑھانے کا حق تھا۔ ع

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

مراد کا واقعہ یہ مسئلہ شاہ جہاں کی قید اور دارا کے قتل سے بھی زیادہ مشکل ہے، شاہ جہاں اور دارا شکوہ دونوں عالم گیر کے صریح مخالف تھے لیکن مراد عالم گیر کا دست و بازو تھا، جسونت

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۸۶۔

سنگھ کے معرکہ میں اسی کی پامردی اور اندھادھند جاں بازی نے داراشکوہ کی فتح کا پانسہ الٹ دیا تھا، وہ ابتدا سے عالم گیر کا ہوا خواہ اور اطاعت گزار تھا اور جو کچھ کرتا تھا عالم گیر کے تیور دیکھ کر کرتا تھا، ایسے جاں باز اور مطیع دوست کو عالم گیر کے ہاتھ سے یہ صلہ ملا کہ قید ہوا اور پھر قید زندگی سے آزاد ہو گیا۔

لیکن اس مسئلہ نے اس وجہ سے یہ صورت اختیار کی ہے کہ مؤرخوں نے پورا واقعہ بیان نہیں کیا، عالم گیر نامہ اور مآثر عالم گیری کے مصنف تو اس قسم کے واقعات کے اسباب و علل سے مطلق بحث نہیں کرتے، اس لیے ان سے کوئی شکایت نہیں ہو سکتی لیکن خافی خاں جوان مصنفوں پر ترجیح حاصل کرنے کی غرض سے دوسرے ماخذوں سے اور بالخصوص عاقل خاں کی تصنیف سے حالات بہم پہنچاتا ہے، جب اس واقعہ کو لکھتا ہے تو صرف یہ لکھ کر رہ جاتا ہے:

''اول روز محمد مراد بخش را بحسن تدبیر کہ تقدیر براں موافقت نمود بہ ذکر تفصیل آں نے پرداز و دست گیر ساختہ زنجیر بپا انداختہ[1]''

خافی خاں اس واقعہ کی تفصیل نہیں بیان کرتا لیکن کیوں؟ کیا عالم گیر پر احسان ہے کہ وہ زیادہ بدنام نہ ہونے پائے لیکن شاہ جہاں کی گرفتاری کا واقعہ اس سے بھی زیادہ بدنام کن تھا، اس کو خافی خاں نے بڑی تلاش سے بہم پہنچایا، چنانچہ خود لکھتا ہے:

''اگرچہ مؤلفان عہد نویس ہر سہ عالم گیر نامہ منزوی ساختن اعلیٰ حضرت را موافق مرضی مبارک مجمل بہ زبان قلم دادہ اندا ما عاقل خاں خافی در واقعات عالم گیری تالیف خود بہ شرح و بسط ذکر کردے خلاصہ کلام آنکہ، الخ[2]''

اسی عاقل خاں نے مراد کی گرفتاری کو بھی تفصیل سے لکھا تھا، اس کو خافی خاں کیوں قلم انداز کرتے ہیں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ مراد گو نہایت دلیر، بہادر اور جاں باز تھا لیکن اس کے ساتھ

---

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۳۸ [2] ایضاً، ج ۲، ص ۳۲۔

نہایت سادہ لوح اورنہایت آسانی سے لوگوں کے دام میں آجاتا تھا، داراشکوہ پر جب اس کو فتح حاصل ہو چکی تو اب اس کو لوگوں کے بہکانے سے یہ خیال آیا کہ یہ معرکے میں نے سر کیے ہیں، میں ہی تنہا تخت سلطنت کا حق دار ہوں، اس خیال سے اس نے عالم گیر سے علاحدگی اختیار کی اور عالم گیر کے بڑے بڑے امرا کو بھاری تنخواہوں اور انعاموں کی طمع دلا کر توڑنا شروع کیا، چنانچہ بیس ہزار فوج اس کی رکاب میں جمع ہو گئی اور روز بہ روز عالم گیر کی فوج گھٹتی جاتی تھی، مجبوراً عالم گیر کو اس کا بندوبست کرنا پڑا، عاقل خاں لکھتا ہے:

دریں منزل بہ عرض باریافتگان محفل والا رسید کہ سلطان مراد بخش از اکبرآباد کوچ نہ کردہ از رفاقت پہلوتہی ساخت و جمعے از ملازمان بادشاہی مثل ابراہیم خاں ولد علی مروان خاں امیر الامرا وغیرہ ملازمت آں جناب (مراد بخش) اختیار کردہ در سلک ملازمانش انتظام یافتند وچوں مواجب و مناصب دہ بیست و دہ پانزدہ مقرر کردہ جمعیتے کہ بداں جناب رجوع مے آرند رعایت کلی مے فرمایند قریب بست ہزار سوار در ظل رائیتش فراہم آمدہ روز بروز مردم ظاہر بیں صورت پرست کہ از سر منزل معنی وحقیقت چندیں مرحلہ دور افتادہ اند بواسطہ طمع منصب وچشم رعایت از اردوئے معلیٰ (یعنی از فوج عالم گیر) جداشدہ بہ آں جناب (مراد بخش) مے پیوندند و جمعیت سپاہش آناً فاناً سمت ازدیاد مے پذیرد[1]۔

اس منزل میں عرض کنندوں نے عالم گیر کو یہ خبر پہنچائی کہ مراد بخش نے آگرہ سے کوچ نہیں کیا ہے اور وہ آپ کی رفاقت سے پہلوتہی کر رہے ہیں اور ملازمان شاہی مثل ابراہیم خاں وغیرہ مراد بخش کی ملازمت میں داخل ہو گئے ہیں اور تقریباً بیس ہزار سوار اپنی فوج میں بھرتی کر لیے ہیں، ظاہر بیں اور صورت پرست منصب وچشم رعایت کی طلب میں عالم گیری فوج سے جدا ہو کر مراد بخش کے زیر علم چلے گئے ہیں، اس طرح ان کی سپاہ کی جمعیت آناً فاناً بڑھ رہی ہے۔

---

[1] واقعات عالم گیری، ص ۶۵۔

یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے مراد بخش کو قابو میں لانا پڑا لیکن انصاف یہ ہے کہ عاقل خاں کی تحریر کے موافق جس طرح مراد کو گرفتار کیا گیا، یعنی عالم گیر نے اس کو دردِ شکم کے بہانہ سے بلایا اور قیلولہ کرنے کے لیے جب وہ خواب گاہِ راحت میں گیا تو ایک لونڈی بھیج کر اس کے ہتھیار منگوا لیے، پھر شیخ میر و غیرہ کو بھیج کر اس کو گرفتار کرا لیا، یہ ایک ایسا کام ہے جو پولیٹیکل قانون کی رو سے گو جائز ہو اور گو مراد سے علانیہ جنگ کرنے میں ہزاروں کا خون ہوتا لیکن اگر عالم گیر اور خوں ریزیوں کی طرح اس کو بھی گوارہ کرتا اور مراد پر تدبیر سے نہیں بلکہ شمشیر سے قابو پاتا تو ہم اس کی مردانہ روش کی زیادہ داد دیتے لیکن سچ یہ ہے کہ عالم گیر نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا وہ خلیفہ منصور عباسی سے، جس نے ابو مسلم اصفہانی بانی دولت عباسیہ کو دھوکہ سے بلا کر قتل کر دیا تھا، زیادہ مدح کا مستحق ہے۔

یورپین مؤرخوں کی غلط بیانیاں یورپین مؤرخوں نے ان تمام واقعات کے متعلق جو غلط بیانیاں اور فریب کاریاں کی ہیں، ان سب کو اگر لکھنا چاہیں تو ایک مستقل کتاب ہوگی، میں نے ابتدائی بحث سے اس وقت تک قصداً ان کو نظر انداز کر رکھا تھا کہ ان میں الجھ کر کہیں رہ نہ جاؤں لیکن اب جب کہ میں ضبط نفس کر کے بحث کے خاتمہ پر آ گیا ہوں تو نہایت اجمال کے ساتھ اس مسئلہ پر اس غرض سے کچھ لکھنا ضرور ہے کہ یورپین مؤرخوں کی غلط کاری، ناواقفیت، فریب بازی اور دانستہ تحریف کا اندازہ ہو سکے، شاہ جہاں، داراشکوہ، مراد، ہر ایک کے واقعہ کے متعلق ان مؤرخوں کا یکساں طرزِ عمل ہے لیکن میں اختصار کی غرض سے صرف مراد کے واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ تمام یورپین مؤرخ لکھتے ہیں کہ شاہ جہاں کے مقابلہ میں بغاوت اور داراشکوہ سے لڑنے پر مراد کو عالم گیر نے ابھارا اور مختلف فریبوں سے اس کو اس پر آمادہ کیا لیکن علاوہ تاریخی کتابوں کے خود مراد کے خطوط موجود ہیں، جن سے صراحتاً ہر جگہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم گیر اپنی جگہ سے حرکت کرنا بھی نہیں چاہتا تھا اور بار بار مراد کو روکتا تھا، ایک خط میں

جو ۲۳ رصفر یعنی شاہ جہاں کی بیماری سے دو مہینے بعد مراد نے عالم گیر کو لکھا ہے تمام واقعات کی اطلاع دے کر اور عالم گیر سے شریک جنگ ہونے کی درخواست کر کے لکھتا ہے:

''اگر آں صاحب مہربان نیز ازاں طرف متوجہ شوند بہتر والا مخلص ہیچ وجہ دریں باب توقف بخود قرار نمے تواند داد۔''

جب عالم گیر نے ان خطوط کے جواب میں لکھا ہے کہ ابھی حضور اقدس زندہ ہیں اور ہم لوگوں کو جگہ سے حرکت نہ کرنی چاہیے اور آپ نے بندر سورت پر چڑھائی نہ کی ہوتی تو بہتر ہوتا تو مراد نے متعدد خطوں میں عالم گیر کو آگرہ کی طرف بڑھنے پر ابھارا ہے، ایک خط میں جو ۱۰ رربیع الاول کو لکھا ہوا ہے، لکھتا ہے:

''آنچہ از تحریر و تقریر گرامی مفہوم شدہ کہ در وقوع آں واقعہ (وفات شاہ جہاں) ہنوز تردد دارند بہ خود معقول نمی تواند کرد...... بہر حال چوں ہر چہ بعد از تیقن ایں معنی بایستے کرد، بہ فعل آمدہ برگشتن ازاں امکان ندارد۔''

پھر ایک اور خط میں لکھتا ہے:

''آں چہ اندراج یافتہ کہ چوں تا حال خبر وقوع قضیہ ناگزیر (یعنی وفات شاہ جہاں) بما نرسیدہ بلکہ آثارِ صحت ظاہر می شود از جائے خود حرکت کردن و بہ اظہار بعضے مراتب پرداختن مناسب نمے نماید اگر آں برادر نیز بعد از تحقیق اخبار افواج بہ سورت می فرستادند دریں کار تعجیل نمے رفت بہتر مے بود (یہاں تک عالم گیر کا قول نقل ہے) در واقع نظر بہ نوشتہ جات وکیل چنیں بایستے کہ مرقوم فرمودہ اند امادریں ایام برانہا اعتماد نیست کہ از تقاریر جاسوساں معتمد بہ یقین پیوستہ کہ در اواسط شہر ذی الحجہ حضرت راہنگام موعود رسید و وکلائے ما برادران بمعنی نظر بند اند...... بر ہر دو تقدیر انتظار خبر بردن وقت و قابو را از دست دادن و بے گفتگوئے ارباب عناد بازی خوردن و اطاعت او کہ اصلا طبیعت برنمے تابد کردن است۔''

اسی خط کے اخیر میں لکھتا ہے:

''ملخص ہمہ ایں مقدمات آنکہ قرار و مدار کار خود را بر محاربہ و جنگ گزاشتہ ہمہ جا مستعد و آمادہ کارزار است و سوائے ایں فکرے دیگر گرد و پیرامون خاطر نمے گزرد و گر انتظار اں صاحب والا قدر مانع نمے بود تا حال خود را بہ آں نواحی میر رسانید۔'' (مرقومہ ربیع الاول)

اس پر بھی عالم گیر مراد کو بار بار روکتا ہے اور مراد بڑھنے کے لیے بے قراری ظاہر کرتا ہے، چنانچہ ایک خط میں لکھتا ہے:

''ملخص را سوائے اجازت آں صاحب مہربان مانعے نیست۔''

اس کے بعد جب مراد نے سورت کا قلعہ فتح کر لیا تو ۱۸ ربیع الثانی کو عالم گیر کو ایک خط میں لکھتا ہے:

''لشکر کہ مشغول آنجا (یعنی سورت) بود دریں زودی بحضور می رسد منتظر اشارہ و اجازت آں صاحب مہرباں است۔''

اسی زمانہ میں یعنی ۱۴ ربیع الثانی کو ایک خط میں عالم گیر کو لکھتا ہے:

''چوں آں صاحب والا قدر دریں وادی متردد خاطر بودہ در کارہائے ضروری آں وقت را موقوف بہ تشخیص خبری دارند و ہر چند روزے گزرد مخالف (یعنی دارا شکوہ) قوت و استقلال دیگری گرد...... ایں قدر یقین حاصل است کہ حضرت اعلیٰ را (شاہ جہاں) مطلق اختیارے نماندہ است و آں حضرت را ملحد (دارا شکوہ) البتہ بہ قید خویش در آوردہ است کہ افواج بر سر بھائی جیو شجاع رفتہ و در پے برہم زدن ماہا است بہ محض رفتن بہر نہجے کہ روئے دہد آں ملحد را از میاں برداشتہ و حضرت اعلیٰ را از دست او بر می اریم بہر حال عازم مقصد شدن اولی است، اگر ایں طرز پسند خاطر افتد صاحب و قبلہ بھائی جیو (یعنی شجاع) را ہم دریں باب متفق ساختہ در یک ساعت و یک وقت از جاہائے خود روانہ مطلب بائد شد۔''

اس قسم کے اور بہت سے خطوط ہیں، جن سے علانیہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم گیر بار بار روکتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور اقدس کی زندگی تک ہم لوگوں کو اپنی اپنی جگہ پر رہنا چاہیے

لیکن مراد کبھی تو یہ کہتا ہے کہ درحقیقت حضرت اقدس رحلت کر گئے، کبھی لکھتا ہے کہ حضور اگر زندہ ہیں تو داراشکوہ کے قابو میں ہیں، کبھی لکھتا ہے کہ اب تو جو ارادہ کرلیا، کرلیا، اب آپ بھی ساتھ دیجیے تو دیجیے ورنہ بندہ تنہا روانہ ہوتا ہے۔

۱- انصاف کرو، ان تصریحات کے بعد یورپین مؤرخوں یا خافی خاں کا یہ بیان کس حد تک صحیح ہوسکتا ہے کہ عالم گیر نے مراد کو دم دلاسے دے کر اپنی شرکت پر آمادہ کیا۔

۲- یورپین مؤرخ عموماً لکھتے ہیں کہ عالم گیر نے مراد سے معاہدہ کیا تھا کہ سلطنت آپ کو ملے گی، میں داراشکوہ کے استیصال کے بعد حج کو چلا جاؤں گا، برنیر صاحب لکھتے ہیں کہ اسی بنا پر عالم گیر ہمیشہ مراد کو حضرت کے لفظ سے خطاب کیا کرتا تھا، خافی خاں کے طرزِ تحریر سے بھی پایا جاتا ہے کہ مراد کو سلطنت کی امید دلائی گئی تھی لیکن یہ ایک نہایت تاریخی غلطی ہے، بے شبہ تینوں بھائیوں میں ایک معاہدہ ہوا تھا لیکن خافی خاں اور یورپین مؤرخوں نے اس کی تحقیق کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ وہ معاہدہ کیا تھا، مرزا مراد نے اپنے خطوط میں، جو عالم گیر اور شجاع کو لکھے ہیں، جابجا اس کا اشارہ کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ داراشکوہ جب ہم میں کسی ایک پر چڑھائی کرے تو اور بھائی بھی اعانت میں شریک ہوں، چنانچہ ایک خط میں لکھتا ہے:

"از معہودات فیما بین آن ست کہ گاہ ملحد[1] (داراشکوہ) بیکے از برادران بہ پیچد دیگراں امداد بکنند۔"

اس کے سوا یہ بھی معاہدہ میں داخل تھا کہ فتح کے بعد ایک ثلث مالِ غنیمت اور کابل و پنجاب و کشمیر کے علاقے مراد کو دیے جائیں، عاقل خاں واقعات عالم گیری میں لکھتا ہے:

"قرار یافت کہ ثلث از غنائم نصیبہ سلطان (یعنی مراد) وعنان بہ سرکار فیض آثار

---

[1] مراد اپنے خطوط میں عموماً داراشکوہ کو ملحد لکھتا ہے۔

(یعنی عالم گیر) عاید گردد و بعد تسخیر کل قلم رو حضرت صاحب قراں و فتح ممالک محروسہ ہندوستان ولایت پنجاب و ملتان و کشمیر و کابل بجناب سلطانی تعلق گیرد و آنجناب (یعنی مراد) در ولایات مذکورہ علم سلطنت برافراز دو آں سہی سرو کوس فرماں روائی بنواز دو خطبہ و سکہ بنام خود بسازد[1]۔"

چنانچہ داراشکوہ کی شکست کے بعد جب مراد نے عالم گیر سے ناراضی اور علاحدگی ظاہر کی تو عالم گیر نے اسی معاہدے کی بنا پر بیس لاکھ روپئے نقد بھیج دیے اور کہلا بھیجا کہ داراشکوہ کے قضیہ فیصل ہونے کے بعد کابل اور پنجاب و کشمیر بھی حوالہ کیا جائے گا، عاقل خاں لکھتا ہے:

"لاجرم آنحضرت (عالم گیر) مبلغ بست لک روپیہ نقد بواسطہ اوارسال داشتہ پیغام کرد کہ بالفعل ایں مبلغ رابہ ضروریات خاصہ خود و سپاہ صرف نمایند بموجبے کہ بہ آں برادر والا تبار مقرر کردہ شد کہ ثلث از غنائم بہ سرکار ایشاں عائد گردد تتمہ نیز خواہد رسید وانشاءاللہ تعالیٰ بعد از اتمام پذیر رفتن مہم داراشکوہ ولایت پنجاب و کابل و کشمیر بہ آں مسند آرائے سلطنت و جہاں داری ارزانی خواہد شد[2]۔"

ان واقعات کے مقابلہ میں ڈاکٹر برنیر صاحب اور دیگر یورپین مؤرخوں کا یہ بیان کہ عالم گیر نے مراد کو اس بھرے پر چڑھایا کہ ہندوستان کی سلطنت کے صرف آپ مستحق ہیں اور میں آپ کو سلطنت دلا کر گوشہ نشین ہو جاؤں گا، کس قدر صریح افترا اور بہتان ہے، ڈاکٹر برنیر نے اس مضمون کو بار بار بڑے زور سے بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"اورنگ زیب اگرچہ بظاہر مراد بخش کو برابر شاہ ہندوستان کہہ کر گفتگو کرتا رہا اور خلیل اللہ سے کہا کہ صرف حضرت ہی تخت نشینی کے لائق ہیں[3]۔"

ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ عالم گیر نے مراد کو ایک خط لکھا جس کے

---

[1] واقعات عالم گیری، ص ۳۵ [2] واقعات عالم گیری، ص ۸۸ [3] سفرنامہ برنیر، جلد اول، ص ۱۰۴۔

جستہ جستہ فقرے یہ ہیں:

''بھائی تم کو اس بات کے یاد دلانے کے لیے کچھ حاجت نہیں کہ امور سلطنت کی محنت اٹھانی میرے اصلی مزاج اور طبیعت کے کس قدر مخالف ہے......اور اگر چہ سلطنت کے حق حقوق اور دعوؤں سے میں بالکل دست بردار ہوں،......یہی نہیں کہ دارا شکوہ فرماں روائی کے اوصاف سے خالی ہے، بلکہ لامذہب اور کافر ہونے کی وجہ سے بالکل تاج وتخت کے لائق نہیں......پس اس صورت میں اس عظیم الشان سلطنت کی فرماں روائی کے لائق صرف آپ ہی ہیں......اور میری بات تو یہ تصور کر لیجیے کہ اگر آپ کی طرف سے موثق اور مستحکم طور پر مجھے یہ وعدہ مل جائے گا کہ جب بفضل خدا آپ بادشاہ ہو جائیں گے تو مجھ کو اپنی قلم رو میں کوئی خلوت کا گوشۂ عافیت باطمینان خاطر عبادتِ الٰہی بجالانے کو عنایت فرما دیجیے گا......پس ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیجیے اور موقع کو غنیمت سمجھیے اور جلد سے سورت کے قلعہ پر قبضہ کر لیجیے۔''

انصاف کرو ڈاکٹر صاحب کے یہ بیانات کس قدر صحیح ہیں اور خصوصاً یہ بیان کہ آپ فوراً سورت پر قبضہ کر لیجیے اور دیر نہ لگائیے کس قدر سچ ہے، مراد کے خطوط میں خود تصریح ہے کہ عالم گیر مہینوں مراد کو نقل وحرکت سے روکتا رہا، بالخصوص قلعۂ سورت پر اس کی پیش قدمی کی نسبت صاف لکھنا کہ نامناسب تھی، ڈاکٹر برنیر صاحب الٹا عالم گیر کو مراد کی پیش قدمی کا محرک بتاتے ہیں، ہم کو مراد اور ڈاکٹر برنیر صاحب میں سے کس پر اعتبار کرنا چاہیے۔

۳- تمام یورپین مؤرخ لکھتے ہیں کہ عالم گیر نے شراب پلوا کر مراد کو گرفتار کیا لیکن ڈاکٹر برنیر صاحب کے سوا کسی مؤرخ نے اس کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا، طرہ یہ کہ الفنسٹن صاحب گورنر بمبئی اپنی تاریخ ہندوستان کے ایک نوٹ میں لکھتے ہیں:

''اگر چہ برنیر صاحب بھی اسی زمانہ کے قریب تھے اور وہ عمدہ لکھنے والے ہیں مگر تقریری اور تحریری واقفیت ان کی محدود ہوگی اور ہندوستانیوں پر رائے لگانے کے ذریعے ان کے پاس کچھ تھوڑے موجود ہوں گے، علاوہ اس کے ان کے بیان میں ایسی ایسی حکایتیں

مذکور ہیں جو لوگوں کو بناوٹی معلوم ہوتی ہیں[۱]۔‘‘

الفنسٹن صاحب نے برنیر صاحب کے متعلق نہایت محققانہ رائے دی ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ان کے نزدیک برنیر کا بیان وہیں تک نا قابل اعتبار ہے جہاں تک عالم گیر کے موافق ہے، ورنہ عالم گیر کی مخالفت میں اس کا ایک ایک حرف وحی ہے اور نہ صرف الفنسٹن صاحب بلکہ تمام یورپین مورخین اس کو صحیفۂ آسمانی سمجھتے ہیں۔

عالم گیر کے الزامات کی تمام روداد اب تمہارے سامنے ہے، غور سے پڑھو اور بار بار پڑھو اور ایک ایک واقعہ کو جانچو اور پھر دیکھو کہ مخالف مورخوں نے عالم گیر کو برا ثابت کرنے کے لیے کیا کیا غلط بیانیاں کی ہیں، کس کس طرح واقعات کو بدلا ہے، کیا کیا غلط نتائج قائم کیے ہیں، کن کن پرفریب طریقوں سے کام لیا ہے، عالم گیر کیا اگر یہ کوششیں نوشیرواں کے متعلق صرف کی جاتیں تو وہ بھی شیطان مجسم نظر آتا۔

عبرت عالم گیر کے دوستوں میں ایک صاحب لین پول صاحب ہیں، انہوں نے عالم گیر کے حالات میں ایک کتاب لکھی اور اپنی دانست میں عالم گیر کے تمام الزامات کا جواب دینا اور عالم گیر کو قابل مدح ثابت کرنا چاہا ہے لیکن اس کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ عالم گیر ہر قسم کی برائیوں یعنی دارا شکوہ وغیرہ کا قتل، ہندو ریاستوں سے بگاڑ کر بنیاد سلطنت کا متزلزل کر دینا، بت خانوں کا توڑنا، ہندوؤں کو ملازمت سے موقوف کرنا، دکن کی اسلامی سلطنتوں کا برباد کرنا، مرہٹوں کے پیچھے فوج ملک اور سلطنت کو غارت کرنا وغیرہ وغیرہ ثابت کی ہیں اور لکھا ہے کہ عالم گیر چوں کہ نہایت دین دار، پکا راسخ مسلمان تھا، اس لیے فرائض مذہبی کے لحاظ سے ایسا کرنا اس کا فرض مذہبی تھا، چنانچہ من جملہ اور بہت سے مقامات کے ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

’’مغلوں کی تاریخ میں یہ سب سے پہلا بادشاہ ہے جو پکا مسلمان تھا، جو ممنوعات

---

[۱] الفنسٹن، ص ۹۹۹۔

سے خود پرہیز کرتا تھا اور دوسروں کو جواس کے گرد تھے، باز رکھتا تھا، وہ ایسا بادشاہ ہوا جس نے محض مذہب کی بدولت اپنے تخت کو معرض خطر میں ڈال دیا، وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میل جول سب سے زیادہ محفوظ طریقہ تھا، جو مختلف قوموں اور متناقض مذاہب کی بنی ہوئی سلطنت کے قائم رکھنے میں اختیار کیا جا سکتا تھا، وہ ضرور اس پُرخطر راستہ سے واقف ہوگا، جس پر وہ گام فرسائی کر رہا تھا اور خوب جانتا ہوگا کہ ہندوؤں کی ہر ایک خیال سے علاحدگی کرنا اور ایرانی متوسلوں کو، جو اس کی فوج اور اس کے دربار میں بڑے بڑے سردار تھے، علانیہ مخالفت کرکے دشمن بنانا، گویا انقلاب کو خود بلانا تھا، تاہم اس نے یہی راستہ اختیار کیا اور بڑے استقلال سے اپنی پچاس برس کی عدیم المثال فرماں روائی میں اسی پر چلا گیا، یہ جملہ کارروائیاں اورنگ زیب نے کسی گہری حکمت عملی کی وجہ سے نہ کی تھی، بلکہ ان کو وہ قطعی حق سمجھتا تھا[1]۔"

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

"اورنگ زیب کے عہد حکومت میں ناکامی تو ہوئی لیکن یہ ناکامی بڑی رفیع الشان ناکامی نہ تھی، دنیا کا راستہ اس نے اپنی قوت ایمانیہ پر بند کر دیا تھا، اس نے اپنے ادائے فرض کا راستہ منتخب کر لیا تھا اور باوجودیکہ وہ قطعی غیر ممکن العمل تھا لیکن پھر بھی وہ بڑے استقلال سے اسی پر چلا گیا، اگر اورنگ زیب ایک دنیا دار شخص ہونے کے قابل ہو سکا ہوتا تو اس کا راستہ بے خلش فرش گل سے ڈھکا ہوتا لیکن اس کی شان و کامرانی تو اسی میں ہے کہ اس نے اپنی روح کو مجبور نہیں کیا اور علم عقائد کو پیٹھ دکھانے کی جرأت نہ کی، ہندوستان کا یہ دین دار اعظم ایسے مادے کا شخص تھا کہ اس نے تاج شہدا جیت لیا[2]۔"

لین پول صاحب کی یہ مہربانی چنداں قابل تعجب نہیں، وہ یورپین مؤرخ ہیں اور ان کو یہی کرنا چاہیے تھا لیکن عبرت نمایہ مقام ہے کہ جدید تعلیم یافتہ گروہ لین پول صاحب

---

[1] ترجمہ لین پول، ص ۶۳-۶۴ [2] ترجمہ لین پول، ص ۲۰۱۔

کی کتاب کو عالم گیر کی حمایت خیال کرتا ہے چنانچہ ایک صاحب نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا اور قوم کے ایک مشہور اور معزز بزرگ کے نام معنون کیا کہ یہ ایک اسلامی خدمت ہے:

ز نادانی برادر کرد ہمدم کار من ضائع

عجب تر ایں کہ بر من منت بسیار ہم دارد

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

ایک طول طویل افسانہ جو مدت میں جا کر ختم ہوا، اس کا حاصل صرف اس قدر نکلا کہ عالم گیر اس قدر برا نہ تھا جتنا اس کے مخالف اس کو بتاتے ہیں لیکن کیا عالم گیر کی قسمت میں اسی قدر ہے؟ کیا اس کو اسی پر قناعت کرنی چاہیے کہ تحسین نہ سہی نفریں سے بچ جائے، ہم کو مخالف مؤرخوں کی اس حق گوئی کی داد دینی چاہیے کہ انہوں نے گو عالم گیر کے معائب جی لگا کر لکھے لیکن محاسن کے اظہار میں کچھ کمی نہیں کی، یہ البتہ ہے کہ معائب کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ خوبیوں کی بھنک بھی کانوں میں نہ آ سکی لیکن اب جب کہ الزامات کا تیرہ و تاریک مطلع کسی قدر صاف ہو گیا ہے، عالم گیر کی حقیقی خوبیوں کے پیش نظر کرنے کا موقع ہے۔

ملکی اصلاحات اور انتظامات

تیمور اپنے جانشینوں کے کارناموں میں ہمیشہ ملکی فتوحات اور وسعت حدود ڈھونڈے گا، عالم گیر اس امتحان میں پورا اتر سکتا ہے، وہ آسام اور تبت کو مسخر کر چکا ہے، دکن کی دو سلطنتیں حدود حکومت میں شامل ہو گئی ہیں، مختصر یہ کہ اس کے عہد میں تیموری حکومت کے حدود جس قدر وسیع ہوئے، کبھی نہیں ہوئے تھے لیکن ہم کو عالم گیر کی تاریخ حکومت میں تیمور کے مذاق کی پیروی کی ضرورت نہیں، چنگیز خاں نے بھی ملک فتح کیے تھے، سکندر بھی بڑا کشور ستاں تھا لیکن ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ملکی انتظامات اور اصلاحات میں عالم گیر نے کیا کیا ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ ٹیکسوں کی موقوفی

تمام سلاطین کے زمانہ میں مال گزاری کے علاوہ بیسیوں ناجائز ٹیکس اور محصول جاری تھے، جن کی مجموعی تعداد مال گزاری کے برابر پہنچ جاتی تھی، مثلاً چنگی

پاندری (مکان کا ٹیکس) سرشماری، برشاری، برگدی، طوغانہ، جرمانہ، شکرانہ وغیرہ وغیرہ، ان محصولوں کی تعداد اسی تک پہنچی تھی اور ان کی آمدنی جیسا کہ خافی خاں نے لکھا ہے، کروڑوں سے زیادہ تھی، عالم گیر نے یہ تمام محاصل یک قلم موقوف کردیے۔

۲-قانون مال گزاری اور بندوبست آراضی اکبر کے زمانہ میں مال گزاری اور خراج کا جو دستور العمل مرتب ہوا تھا، اس کی پھر تجدید اور ترمیم کبھی نہیں ہوئی، عالم گیر نے اپنے زمانہ میں ترمیم و اصلاح کرکے ایک جدید دستور العمل تیار کیا، وہ مع انگریزی ترجمہ کے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے جرنل میں چھپا ہے، ہم تطویل کے لحاظ سے اس کو نقل نہیں کرسکتے، اس موقع پر یہ ظاہر کرنا مناسب ہوگا کہ عالم گیر کے زمانہ میں محاصل سلطنت اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ اکبر اعظم کے عہد سے اس وقت تک کبھی نہیں ہوا تھا، چنانچہ ہم عہد بہ عہد کی تفصیل لکھتے ہیں[1]:

اکبر	شاہ جہاں	عالم گیر
ایک کروڑ نوے لاکھ پونڈ	دو کروڑ ستائیس لاکھ پچاس ہزار پونڈ	چار کروڑ پونڈ یعنی ساٹھ کروڑ روپیہ

عالم گیر کے حدود حکومت میں جو اضافہ ہوا تھا، وہ حیدرآباد، بیجاپور، آسام، چاٹگام اور تبت تھا لیکن ان تمام ممالک کی آمدنی دس بارہ کروڑ روپے سے زیادہ نہیں ہوسکتی تھی، باقی جو اضافہ ہے وہ صرف بندوبست کی خوبی اور ملک کی آبادی کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔

۳-عہدہ داروں کے مرنے پر ان کی جائیدادوں کی ضبطی کا موقوف کرنا عالم گیر کے زمانہ تک یہ عام قاعدہ تھا کہ جب کوئی عہدہ دار سلطنت مرجاتا تھا تو اس کی تمام جائیداد اور اسباب ضبط ہوکر شاہی خزانہ میں داخل ہوجاتا تھا، اگرچہ یہ قاعدہ جیسا آج ظالمانہ نظر آتا ہے، اس زمانہ میں نہ تھا اور درحقیقت بعض خاص مصالح پر مبنی تھا لیکن اس میں

[1] لین پول، ص ۱۱۶-۱۱۷، لین پول نے نہایت صحیح ماخذوں سے اس کے متعلق مفصل رپورٹ لکھی ہے۔

شبہ نہیں کہ یہ طریقہ بہت سی برائیوں اور بے رحمیوں کا سرچشمہ بن گیا تھا، عالم گیر نے اس قاعدے کو سرے سے موقوف کر دیا، مآثر عالم گیری میں ہے:

واگذاشتن متروکات امرائے عظام کہ مطالبہ دار سرکار معلیٰ نباشند از اعقاب آنہا کہ متصدیان بادشاہی در ایام سلاطین سابق بہ فراوان احتیاط ضبط می نمودند واین معنے سبب آزار ماتم زدگان و اقربا و جیران می شد عفو فرمودہ بودند[1]۔

عالم گیر سے پہلے یہ قاعدہ تھا کہ امرائے کبار کے متروکات جو سرکار معلیٰ کے مطالبہ دار نہ ہوتے تھے، ان کی اولاد سے جو سلاطین سابق کے وقت میں متصدی حکومت ہوتے تھے، کمال احتیاط کے ساتھ ضبط کر لیے جاتے تھے، اس فعل سے مرحوم امیر کے ماتم زدہ وارث واعزہ بے حد پریشان وفکر مند ہوتے تھے، قبلہ عالم نے اس قاعدے کو منسوخ فرما کر اہل ملک کو شاد و مطمئن فرمادیا۔

خافی خاں اور لین پول بھی اصل واقعہ سے انکار نہیں کرتے لیکن کہتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل کم ہوتی تھی، کیوں کہ عالم گیر کے امرا اس کے احکام کی پوری تعمیل نہیں کرتے تھے، اس کا فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے۔

۴- سب سے بڑا کام جس سے شاید دنیائے اسلام کی تاریخ خالی ہے یہ ہے کہ بادشاہ وقت کے مقابلہ میں اگر کوئی شخص دادرسی چاہے تو نہ اس کی مجال تھی نہ اس کا کوئی قاعدہ مقرر تھا، عالم گیر نے ۱۰۸۲ھ میں یہ فرمان نافذ کیا کہ تمام اضلاع میں سرکاری وکیل مقرر کیے جائیں اور عام منادی کرادی جائے کہ جس کسی کو بادشاہ پر کوئی دعوا ہو، پیش کرے اور سرکاری وکیل اس کی جواب دہی کرے اور اس کا حق ثابت ہو تو سرکاری وکیل سے اپنا مطالبہ وصول کرے، خافی خاں لکھتا ہے:

---

[1] مآثر عالم گیری، ص ۵۳۱۔

"دریں سال از راہ حق پرستی و عدالت گستری حکم فرمودند کہ در حضور و شہر ہا منادی نمایند کہ ہر کہ بر ذمہ بادشاہ طلب و دعوئے شرعی داشتہ باشد حاضر گشتہ بہ وکیل بادشاہی رجوع نماید بعد از اثبات حق خود را بستانند و فرمودند کہ وکیل شرعی از طرف آں بادشاہ دادگر برائے جواب خلق اللہ کہ دسترس بہ رسیدن حضور نہ داشتہ باشند در حضور بلاد دور و نزدیک مقرر نمایند و در ہمہ صوبہ جات وکیل شرعی تعین گردیدند[1]"

۵- واقعہ نگار اور پرچہ نویس ملک اور رعایا کی حالت کے دریافت کرنے کے لیے پرچہ نویسی اور واقعہ نگاری کے صیغے کو نہایت وسعت دی، اگر چہ اس میں شبہ نہیں کی یہ محکمہ خطرہ سے خالی نہیں، اگر پرچہ نویس خود غرض اور راشی ہوں تو ان سے بڑھ کر کوئی چیز ملک کے برباد کرنے والی نہیں ہو سکتی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ملک کے ایک ایک جزئی واقعہ سے واقف ہونے کا کوئی ذریعہ اگر ہے تو یہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو خلفا اور سلاطین مثلاً عمر فاروق رضی اللہ عنہ، مامون الرشید، ناصرلدین اللہ عدل اور انصاف کے نمونے تھے، سب نے یہ محکمہ قائم کیا تھا اور اس کو نہایت وسعت دی تھی، البتہ بڑی احتیاط سے اس کے متعلق کام لیتے تھے، عالم گیر بھی نہایت احتیاط برتتا تھا اور اس کے خطرات سے بخوبی واقف تھا، ایک موقع پر خود ایک رقعہ میں لکھتا ہے:

"از انجا کہ سوانح نگاران برائے اغراض نفسانی چیزہائے بسیار برخانہ زاداں تربیت کردندمے بندند باید کہ آں فدوی بدیوان برنگارد کہ ہمہ مراتب راچنانچہ باید تحقیق نمائد و بحضور معروض دارد[2]"

معزالدین اپنے پوتے کو ایک رقعہ میں ایک واقعہ نگار کے متعلق لکھتا ہے:

"اگر دانند خدمت واقعہ نگاری بدیگرے مقرر نمایند کہ حالا واقعہ نگار واقعہ نگار نہ ماند۔"

---

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۲۴۹ [2] فیاض القوانین۔

اعظم شاہ کو ایک رقعہ میں لکھتا ہے:

''واقعہ نگار و ہر کارہ ہائے معتبر و محتاط در محال بگذارند و روز مرہ احکام عمال بخوانند۔''

پرچہ نویس کے انتظام کی بدولت ہندوستان جیسے وسیع ملک کے ایک ایک کونے کی خبر عالم گیر کو پہنچتی تھی، اس کے عہد کی یہ مخصوص بات ہے کہ وہ جس قدر رعایا کی اصلی حالت سے خبر رکھتا تھا اور ان کی آسائش و آرام کا انتظام کرتا تھا کسی سلطنت میں اس کی نظیر بہت کم مل سکتی ہے، اس کے رقعات پڑھو، شہزادوں، صوبہ داروں، عاملوں کی ایک ایک فروگذاشت کو پکڑتا ہے اور واقعہ نگار کا حوالہ دیتا ہے، ہزاروں کوس پر کسی سوداگر یا کسی راہ چلتے کی کوئی چیز ضائع ہو جاتی ہے تو فوراً اس کو خبر لگ جاتی ہے اور وہاں کے عامل سے باز پرس کرتا ہے۔

۶-عالم گیر کی تاریخ حکومت کا سب سے حیرت انگیز واقعات اس کا کلیات اور جزئیات پر یکساں حاوی اور باخبر ہونا ہے، وہ ایک طرف تو ایسی بڑی بڑی مہمات میں مصروف رہتا تھا جن سے دم لینے کی مہلت بھی نہیں مل سکتی ہے، دوسری طرف چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اس کی آگہی سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا اور وہ ان کو بھی اسی توجہ اور غور سے انجام دے سکتا تھا، الفنسٹن صاحب سے زیادہ عالم گیر کا کوئی دشمن نہیں گزرا ہے، ان کو بھی مجبوراً لکھنا پڑا:

''وہ خود تن تنہا اپنی حکومت کی ہر شاخ کی کارگزاری، جزوی جزوی کاموں کے لحاظ و حیثیت سے کرتا رہا، لشکر کشیوں کے نقشے سوچتا تھا، لشکر کشیوں کے زمانہ میں ہدایتیں جاری کرتا تھا اور سردار اس کے قلعوں کے نقشے بایں مقصود اس کی خدمت میں ارسال کرتے تھے کہ حملوں کے مقاموں کو مقرر کرے اور اس کے رقعوں میں پٹھانوں کے ہموار ملکوں میں سڑکوں کے جاری کرانے اور ملتان اور آگرے کے فسادوں کو دبانے بلکہ قندھار کو دوبارہ حاصل کرنے کی

تدبیریں مندرج پائی جاتی ہیں اوراسی عرصہ میں فوج کا کوئی ٹکڑایابار برداری کی کوئی رسد نہ تھی، جس کا کوچ مقام دکن میں ایسے حکموں کے بدون پایا جاوے جس میں سے تھوڑے بہت حکموں کواورنگ زیب نے خاص اپنے ہاتھوں سے جاری نہ کیا ہو،ضلع کی مال گزاری کے ادنیٰ افسر کا تقرر یاکسی دفتر میں کسی محرر کا انتخاب اپنی توجہ فرمائی کے نامناسب نہ سمجھتا تھااور سارے کارگزاروں کی کارگزاری کی نگرانی جاسوسوں اور آنے جانے والوں کے ذریعہ سے کرتا تھااورایسی خبروں کی اصل بنیاد پر ہمیشہ فہمائش اور ہدایتوں کے وسیلہ سے ان کوآگاہ اور خبر دار رکھتا تھا،مگر تفصیل جزئیات پرایسے ذوق وشوق سے ملتفت ہونا جیسی کہ ہوشیاری اور بیدار مغزی کی دلیل ہے، ویسی ہی کام کاج کی اصلی ترقی اوراجزائے کارکی ذاتی عروج کے لیے چنداں مفید نہیں مگر جو کہ اورنگ زیب کی ذات وطبیعت میں التفات جزئیات کے ساتھ بڑی چابکی وچالاکی سلطنت کے عمدہ عمدہ کاموں میں بھی پائی جاتی تھی تو اس سے طبیعت کی آمادگی اورنہایت گرم جوشی ایسی معلوم ہوتی ہے جو ہرزمانہ میں بڑی عجیب وغریب سمجھی جاتی ہے[1]۔"

۷-ایشیائی سلطنتیں اس بات میں ہمیشہ بدنام رہیں کہ عمال اورعہدہ دار اکثر رشوت خوار ہوتے تھے،اس رشوت خواری کے اسباب میں سے بہت بڑا قوی سبب پیش کش اورنذرانہ کی رسم تھی، یعنی تمام وزرا،امرا،عمال،سالانہ جشن میں بادشاہ کونہایت گراں قیمت نذرانے پیش کرتے تھے، یہ نذرانے اکثر ان لوگوں کی سالانہ تنخواہ کے قریب قریب برابر پڑ جاتے تھے،اس بنا پران لوگوں کواس نقصان کی تلافی کے لیے خوانخواہ رعایا سے رشوت لینی پڑتی تھی، جہاں گیراپنے توزک میں ان نذرانوں کا ذکر بڑے لطف اورمسرت کے لہجہ سے کرتا ہے اورایک ایک چیز کی تفصیل لکھتا ہے،بعض نذرانوں کی تعداد کروڑ سے زیادہ پہنچ گئی ہے، اگرچہ اس کے مقابلہ میں بادشاہ بھی بے شمار انعامات واکرامات کرتا تھا لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان انعامات سے نذروانوں کا پورا بندوبست ہوتا تھا،اس کے علاوہ

[1] الفنسٹن ،ص ۱۱۹-۱۲۰۔

انعامات اکثر نقد کی صورت میں نہیں ہوتے تھے اور نذرانے میں جو چیزیں پیش کی جاتی تھیں، خرید کر مہیا کرنی پڑتی تھیں، بہر حال یہ قطعی ہے کہ یہ نہایت براطریقہ تھا اور سیکڑوں مفاسد اس سے پیدا ہوتے تھے۔

عالم گیر نے اس طریقہ کو بالکل بند کر دیا، چنانچہ تفصیل اس کی آگے آتی ہے۔

۸-عدل وانصاف عالم گیر کے عہد حکومت کا سب سے بڑا روشن کارنامہ اس کا عدل وانصاف ہے جس میں عزیز و بیگانہ، غریب وامیر، دوست ودشمن کی کچھ تمیز نہ تھی، ایک رقعہ میں خود لکھتا ہے کہ معاملات انصاف میں شہزادوں کو میں عام آدمیوں کے برابر سمجھتا ہوں، یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ غیروں نے بھی اس کی تصدیق کی ہے، لین پول صاحب عالم گیر کی سوانح میں لکھتے ہیں:

''اوونگٹن جس کی ذاتی سند تو چنداں قابل اعتبار نہیں لیکن جس نے اپنی رائے ایسے نکتہ چینوں کی تحریر سے اخذ کی ہے جن کو اورنگ زیب کی ذرا بھی پاس داری نہ تھی، یعنی یہ نکتہ چیں بمبئی اور سورت کے تاجر ہیں، کہتا ہے، مغل اعظم عدل کا دریائے اعظم ہے، جچے تلے انصاف سے وہ عموماً تجویز کرتا ہے، کیوں کہ شہنشاہ کے حضور میں سفارش امارت اور منصب کی کچھ پیش نہیں جاتی، بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی اورنگ زیب اس مستعدی سے بات سنتا ہے، جس طرح سے کہ بڑے سے بڑے امیر کی، ڈاکٹر کاریری نے بھی جس نے اورنگ زیب کو بمقام دکن ۱۶۹۵ء میں دیکھا تھا، اس کا یہی چال چلن بیان کیا ہے[۱]۔''

ایک اور موقع پر لین پول لکھتا ہے:

''سیاحوں کی مخالفانہ نکتہ چینیاں اورنگ زیب کے چال چلن پر اسی زمانہ تک ہیں جب تک وہ شاہزادہ تھا لیکن وہ سیاح جس وقت اس کے زمانہ شہنشاہی کا حال لکھتے ہیں تو سوائے کلمات تحسین کے اور کچھ نہیں لکھتے، اس کی پچاس برس کی دراز حکومت میں ایک ظالمانہ

۱؎ ترجمہ لین پول، ص ۷۵-۷۶۔

فعل بھی اس کے خلاف ثابت نہیں ہے، حتیٰ کہ ہندوؤں کے ستانے میں بھی جواس کی دین داری کا ایک جزو تھا، سب کو تسلیم ہے کہ کوئی قتل یا جسمانی تکلیف رسانی نہیں پیش آئی[1]۔"

عالم گیر نے اپنی زندگی کا مقصد سلطنت کے جاہ وجلال، شان وشوکت، ناز ونعم کے بجائے صرف رعایا کی خدمت اور راحت رسانی قرار دیا تھا، وہ انتہائے پیری تک دربار میں کھڑے ہوکر رعایا کی عرضیاں لیتا تھا اور خود اپنے ہاتھ سے ان پر حکم لکھتا تھا، ڈاکٹر جیلی کریری (Dr. Carreri) نے اٹھہتر برس کی عمر میں عالم گیر کو دیکھا تھا، وہ بیان کرتا ہے کہ:

"وہ صاف اور سفید ململ کی پوشاک پہنے ہوئے عصائے پیری کے سہارے امیروں کے جھرمٹ میں کھڑا ہوا تھا اور اس کی پگڑی میں بڑا ٹکڑا زمرد کا ٹنکا ہوا تھا، دادخواہوں کی عرضیاں لیتا جاتا تھا اور بلا عینک پڑھ کر خاص اپنے ہاتھ سے دستخط کرتا جاتا تھا اور اس کے ہشاش بشاش چہرہ سے صاف مترشح تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شاداں وفرحاں ہے[2]۔"

وہ دن میں دو تین دفعہ دربارِ عام کرتا تھا اور مطلق کسی کی روک ٹوک نہ تھی، ادنیٰ سے ادنیٰ جو چاہتا تھا کہتا تھا اور عالم گیر نہایت توجہ سے سنتا تھا[3]، مرزا کام بخش عالم گیر کا نہایت چہیتا بیٹا تھا، اس کے کوکہ پر قتل کا الزام قائم ہوا، عالم گیر نے حکم دیا کہ عدالت میں تحقیقات کی جائے، کام بخش نے اس کی حمایت کی، عالم گیر نے دربار میں کام بخش کو بلا بھیجا، کام بخش اس کو بھی ساتھ لاتا تھا اور اپنے آپ سے جدا نہیں کرتا تھا، عالم گیر نے حکم دیا کہ کام بخش بھی کوکہ کے ساتھ قید کیا جائے، چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی، ۱۷ھ جلوس مطابق ۱۰۸۵ھ میں حسن ابدال کے سفر میں عالم گیر نے ایک دن ایک باغ میں قیام کیا، دیوار کے نیچے ایک بڑھیا کا مکان تھا، بڑھیا کی ایک پن چکی تھی جس میں باغ سے پانی آتا تھا، سرکاری آدمیوں نے پانی روک دیا اور پن چکی بند ہوگئی، عالم گیر کو خبر ہوئی، اسی وقت پانی کھلوا دیا، رات کو جب کھانا پر بیٹھا تو دو قاب کھانے کے اور پانچ اشرفیاں شیخ ابوالخیر کو

---

[1] ترجمہ لین پول، ص ۵۷ [2] الفنسٹن، ص ۱۱۳۳ [3] مآثر عالم گیری، ص ۵۲۷۔

دیں کہ جا کر بڑھیا کو دوا اور میری طرف سے معذرت کرو کہ افسوس ہمارے آنے کی وجہ سے تم کو تکلیف ہوئی، تم معاف کر دو، صبح پالکی بھیج کر بڑھیا کو بلوایا اور حرم میں بھیجا، دریافت سے معلوم ہوا کہ بڑھیا کو دو بن بیاہی بیٹیاں اور دو بچے ہیں، دو سو روپے عنایت کیے، مستورات نے اس کو زر و جواہر سے مالا مال کر دیا، دو تین دن کے بعد پھر بلوایا اور لڑکی کی شادی کے لیے دو ہزار روپے عنایت فرمائے، بیگمات اور شہزادوں نے روپے اور اشرفیاں برسا دیں، یہاں تک کہ چند روز کے بعد بڑھیا اچھی خاصی امیر ہو گئی[1]۔

درشن کے طریقہ کو اس نے نہایت سختی سے بند کیا تھا لیکن یہ اجازت دی کہ کوئی داد خواہ آئے تو اس کی عرضی رسی میں باندھ کر اوپر پہنچا دی جائے[2]۔

اس قسم کے سیکڑوں واقعات ہیں لیکن ایک آرٹیکل میں یہ تمام کارنامے سما نہیں سکتے، عالم گیر کے رقعات پڑھو، ہر ہر سطر میں نظر آتا ہے کہ کس تاکید، کس اہتمام، کس شفقت سے انصاف رسانی کے متعلق احکام اور فرامین بھیجتا رہتا ہے اور دل سے لگی ہے کہ ایک شخص کا بھی بال بیکا نہ ہونے پائے۔

۹- بادشاہ پرستی کو مٹانا تیموری سلاطین اگرچہ در حقیقت شخصی حکومت کے بہتر سے بہتر نمونے تھے لیکن حکومت کا نظام تمام تر بادشاہ پرستی پر مبنی تھا، بادشاہ ایک وجود مافوق الفطرت ہے، وہ خدا کا سایہ نہیں بلکہ خدا کا مظہر ہے، اکبر کی زیارت عبادت تھی اور ہر روز صبح کے وقت ایک گروہِ کثیر یہ عبادت بجا لاتا تھا، دربار میں بادشاہ کو علانیہ سجدہ کیا جاتا تھا، شاہ جہاں نے سجدہ بند کیا لیکن زمین بوس قائم کیا کہ وہ سجدے کی دوسری صورت تھی، بادشاہ کے مصارف خورد و نوش، لباس و پوشاک، سیر و سفران سب پر لاکھوں کروڑوں روپے خرچ ہوتے تھے اور سمجھا جاتا تھا کہ دنیا کے احکم الحاکمین کا یہ اصلی حق ہے، بادشاہ سے کوئی شخص بجز طریقہ عبودیت کے عرض و معروض نہیں کر سکتا تھا، غرض آسمان پر کوئی اور خدا ہو تو ہو لیکن دنیا کا خدا تو

---

[1] مآثر عالم گیری، ص ۱۳۲ تا ۱۳۵ [2] ایضاً، ص ۹۵۔

بادشاہ ہی ہوتا تھا، اسی بنا پر تیمور کہا کرتا تھا کہ جس طرح آسمان پر ایک خدا ہے، زمین پر بھی ایک ہی بادشاہ ہونا چاہیے لیکن یہ طریقہ اسلام کے اصول کے بالکل خلاف تھا، اسلام نے مساوات کا اصول قائم کیا تھا، جس کی رو سے بادشاہ ورعایا، امیر وغریب، شریف ورذیل سب کا ایک درجہ ہے۔

جو طریقہ تیمور کے عہد سے شاہ جہاں تک روز افزوں وسعت حاصل کرتا آیا تھا، عالم گیر اس کو سرے سے بدل تو نہیں سکا لیکن نہایت کوشش کی کہ خدایانہ عظمت وجلال کا رنگ سلطنت کے چہرہ سے اتر جائے۔

درشن کے طریقے کو بند کیا ۱۰۷۹ھ میں درشن کا طریقہ یعنی جو لوگ صبح میں بطور عبادت کے بادشاہ کا جمال مبارک دیکھنے آتے تھے اور جب تک زیارت نہیں کر لیتے تھے، کچھ کھاتے پیتے نہ تھے، اس کو قطعاً موقوف کر دیا[1]۔

شاعری کے عہدے کی تخفیف دربار میں شعرا مقرر تھے جو بادشاہ کی مدح کہہ کر لاتے تھے اور بادشاہ کو خدا کا ہم سر بتاتے تھے، ان کی بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی تھیں اور ایک شخص سب کا افسر یعنی ملک الشعرا ہوتا تھا، اسی سنہ میں عالم گیر نے اس صیغہ کو بھی سرے سے بند کر دیا[2]۔

نذرانہ کا بند کرنا نوروز کے جشن میں تمام امرا بادشاہ کی خدمت میں بڑی بڑی نذریں پیش کرتے تھے، بعض بعض نذروں کی قیمت کروڑ سے متجاوز ہو جاتی تھی، جہاں گیر ان نذروں کو نہایت تفصیل سے مزہ لے کر لکھتا ہے، عالم گیر نے ۲۱ جلوس مطابق ۱۰۸۸ھ میں یہ طریقہ موقوف کر دیا، مآثر عالم گیری میں ہے:

بخشی الملک صفی خاں مخاطب شد کہ ما جشن موقوف کردیم پیش کش امیر الامرا واپس دہند و دیگر نوینان ہم نگذارند[3]۔''	بخشی الملک صفی خاں سے ارشاد ہوا کہ جشن کا انعقاد موقوف کیا جاتا ہے، امیر الامرا کی پیش کش واپس کی جائے اور دیگر امرا بھی نذریں نہ پیش کریں۔

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۲۱۳ [2] ایضاً، ص ۲۱۴-۲۱۵ [3] مآثر عالم گیری، ص ۱۶۲۔

تکلفاتِ سلطنت کا مٹانا دربار میں جس قدر تکلف اور ساز و سامان کیا جاتا تھا، سب بند کر دیا یہاں تک کہ چاندی کی دوات کے بجائے چینی کی دوات کا حکم دیا، نعام کی رقمیں چاندی کی سینیوں میں لاتے تھے، حکم دیا کہ سپر میں رکھ کر لائیں[1]، زربفت وغیرہ کے خلعت بھی موقوف کر دیے۔

دربار میں یہ خلاف ادب سمجھا جاتا تھا کہ کوئی کسی کو سلام کرے، اس لیے صرف سر پر ہاتھ رکھ دیتے تھے، ۱۰۸۰ھ میں عالم گیر نے حکم دیا کہ اس طریقہ کے بجائے لوگ معمولاً سلام علیکم کہا کریں[2]۔

عالم گیر نے مختلف موقعوں پر صاف صاف اپنے طریق عمل سے بتا دیا کہ بادشاہ ایک معمولی آدمی ہے، اس کے حقوق عام لوگوں کے برابر ہیں، ۱۶ سنہ جلوس مطابق ۱۰۸۳ھ میں عالم گیر بقرعید کی نماز کو جارہا تھا، واپسی میں ایک شخص نے لکڑی پھینک کر ماری جو عالم گیر کے زانو پر آ کر لگی، گرز بردار اس کو گرفتار کر کے لائے، عالم گیر نے کہا چھوڑ دو[3]۔

۳۰ سنہ جلوس میں جب وہ جامع مسجد سے واپس آ رہا تھا ایک شخص تلوار علم کیے ہوئے اس کی طرف دوڑا، لوگوں نے گرفتار کر لیا اور قتل کر دینا چاہا، عالم گیر نے روکا اور ۸/ یومیہ اس کا روزینہ مقرر کر دیا۔

یہ واقعہ کسی اور بادشاہ کے ساتھ پیش آتا تو مجرم کے ٹکڑے اڑا دیے گئے ہوتے۔

جیب خاص کے مصارف کا کم کرنا سلاطین سابق کے زمانے میں بادشاہ کی جیب خرچ کے لیے کروروں روپے آمدنی کے علاقے مخصوص ہوتے تھے، جن سے بادشاہ کے مصارف ادا ہوتے تھے، عالم گیر نے چند گاؤں اور چند نمک سار اپنے مصارف کے لیے مخصوص کر لیے تھے، باقی کو بیت المال قرار دیا[4]۔

اس کی زندگی بالکل سادی اور زاہدانہ تھی، ٹورنیر نے اس کو ۱۶۶۵ء میں دیکھا تھا، وہ

---

[1] مآثر عالم گیری، ص ۱۶۲ [2] ایضاً، ص ۹۸ [3] ایضاً، ص ۱۲۷ [4] ایضاً، ص ۶۵۔

لکھتا ہے:

''وہ نحیف وزار ہو گیا تھا اوراس لاغری میں اس کی روزہ داری نے اوراضافہ کردیا۔''

لین پول صاحب لکھتے ہیں:

''اورنگ زیب فرصت کے وقت کلاہیں بنایا کرتا تھا۔''

کلاہوں کا بنانا یقینی ہو یا نہ ہو لیکن اس قدر یقینی ہے کہ عالم گیر خود اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنی خوراک بہم پہنچاتا تھا اور یہ سب باتیں اسی طرزِ عمل کے مٹانے کے لیے تھیں جس سے بادشاہ کا درجہ خدا کے قریب قریب قائم کردیا گیا تھا۔

۱۰-تعلیمات کی ترقی عالم گیر نے تعلیم اور درس وتدریس کو جس قدر ترقی دی تھی، ہندوستان میں کبھی کسی عہد میں نہیں ہوئی تھی، ہر ہر شہر اور قصبہ میں تمام علما اور فضلا کے وظائف اور روزانے مقرر تھے، جس کی وجہ سے وہ مطمئن ہو کر تعلیم اور تعلم میں مشغول رہتے تھے، اس کے ساتھ ہر جگہ طالب علموں کے وظائف مقرر تھے، مآثر عالم گیری میں ہے:

درجمیع بلاد و قصبات ایں کشور وسیع فضلا و مدرساں رابہ وظائف لائقہ از روزانہ واملاک موظف ساختہ برائے طلبہ علم وجوہ معیشت در خورحالت واستعداد مقرر فرمود بودند۔[1]	ملک کے ہر شہر اور ہر قصبے میں مدرسین کے لیے وظائف مقرر فرمائے گئے، علما کو روزینے اور جاگیریں عطا کی گئیں اور طلبہ کے اخراجات اور مدد معاش کے لیے کافی انتظام کیا گیا۔

ندوۃ العلما کی نمائش گاہ علمی میں جو بنارس میں قائم ہوئی تھی، ہم نے کثرت سے سلاطین تیموریہ کے عہد کے فرامین بہم پہنچائے تھے، ان میں دوثلث سے زیادہ عالم گیر کے فرامین تھے اور یہ کل فرامین کسی عالم یا درویش کی جاگیر یا مدد معاش کے متعلق تھے، اہل علم کے وظائف کے لیے جو فرمان ہم کو ہاتھ آتا تھا، عموماً عالم گیر کے دربار کا ہوتا تھا۔

[1] مآثر عالم گیری، ص۵۲۹۔

رفاہِ عام کے کام تمام ملک میں سرائیں، کاروان سرا، مسافر خانے بنوائے اور اکثر اضلاع میں غلہ خانے قائم کیے کہ قحط کے وقت غربا کو مفت غلہ تقسیم کیا جائے۔

مذہبی حیثیت عالم گیر کو اگر چہ خلافت کا دعویٰ نہ تھا تاہم وہ مسلمان بادشاہ تھا اور اس کا فرض تھا کہ وہ حکومت میں اس قدر اسلامی شان باقی رکھے جس قدر ایک اسلامی حکومت کے لیے اصل عنصر کے لحاظ سے ضروری ہے، اکبر نے جس رنگ میں سلطنت کو رنگنا شروع کیا تھا اور جس کی یادگاریں شاہ جہاں کے زمانہ تک بھی باقی تھیں، وہ اگر قائم رہتا تو تیموری سلطنت ایک ہندو سلطنت بن چکی تھی، اسلامی شعار بالکل مٹ چکے تھے، عام دربار کا لباس گھیر دار جامہ اور ہندوانی پگڑی تھی، راجاؤں کی طرح سلاطین زیور پہنتے تھے، دربار میں سلام وغیرہ کے بجائے سجدہ یا پالگی رائج تھی، یہ بے غیرتی اس قدر بڑھی کہ بے غیرت مسلمانوں نے ہندوؤں کو لڑکیاں دینی شروع کیں، چنانچہ اس کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں، عالم گیر نے عنانِ سلطنت ہاتھ میں لی تو اس کا یہ فرض تھا کہ اسلامی شعار دوبارہ قائم کرے۔

تبدیلیٔ سنہ اس نے سب سے پہلے ۱۰۶۹ھ میں یعنی تاریخی جلوس کے ایک ہی برس کے بعد سنہ شمسی کو جو پارسیوں کی تقلید سے قائم کیا تھا، قمری سے بدل دیا، یہ اگر چہ بہ ظاہر معمولی سی بات ہے لیکن اسی قسم کی معمولی باتوں سے دنیا میں سیکڑوں قومیں بنیں اور فنا ہو گئیں۔

درشن کا طریقہ درشن کا طریقہ بالکل اسلام کے مخالف تھا، اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس نے انسان کو ہمیشہ انسان کے درجے پر رکھا، کبھی کسی انسان کی پرستش اور عبادت کی اجازت نہیں دی لیکن درشن کا طریقہ صریح ایک قسم کی عبادت تھی، چنانچہ عالم گیر نے ۱۰۷۹ھ میں اس کو سرے سے بند کر دیا۔

سلام علیک کا طریقہ ۱۰۸۲ھ میں سلام مسنون کا طریقہ جاری کیا اور حکم دیا کہ عام طور پر مسلمان آپس میں ملنے جلنے کے وقت یہی طریقہ برتیں، گانا بجانا بھی دربار کا ایک لازمہ

قرار پایا تھا اور ہر روز ایک وقت معین تک دربارِ شاہی رقص و سرور کا تماشا گاہ بن جاتا تھا۔

گانا بجانا بند عالم گیر اگرچہ خود جیسا کہ مآثر عالم گیری میں بہ تصریح لکھا ہے، فن موسیقی کا ماہر تھا لیکن مزامیر کے ساتھ گانا چوں کہ ممنوع ہے اور دربارِ شاہی کی شان کے بالکل خلاف ہے، عالم گیر نے اس صیغہ کو بھی بند کر دیا، گویوں نے اس پر ایک مصنوعی جنازہ نکالا، عالم گیر نے دیکھ کر کہا، ہاں مگر ایسا دفن کرنا کہ پھر نہ اٹھے۔

احتساب احتساب کا مستقل محکمہ قائم کیا اور تمام اضلاع میں محتسب مقرر کیے جن کا کام یہ تھا کہ لوگوں کو منہیات اور ممنوعات سے باز رکھتے تھے، اس محکمہ کے افسر ملا وجیہ الدین تھے۔

مساجد کا انتظام تمام ملک میں جس قدر مسجدیں تھیں، سب میں امام، مؤذن خطیب مقرر کیے، جن کی تنخواہیں سرکاری خزانے سے ملتی تھیں[1]۔

فتاویٰ عالم گیری سب سے مقدم کام یہ تھا کہ شرعی مقدمات کے فیصلہ کے لیے کوئی ایسی جامع مانع کتاب فقہ موجود نہ تھی، جس میں تمام مفتی بہ مسائل جمع کر دیے گئے ہوں اور جن سے ہر شخص بہ آسانی مسائل کا استخراج کر سکے، عالم گیر نے تمام علما و فضلا کو جمع کر کے تصنیف کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا، جس کے افسر ملا نظام تھے، اس کام کے لیے شاہی کتب خانہ جس میں بے شمار کتابیں فراہم تھیں، وقف کر دیں، کئی برس کی لگاتار محنت کے بعد وہ کتاب تیار ہوئی جو آج فتاویٰ عالم گیری کے نام سے مشہور ہے اور عرب و روم میں فتاوائے ہندیہ کہلاتی ہے، باوجود اس کے کہ علما کی تنخواہیں بہت زیادہ نہ تھیں چنانچہ ہم نے مآثر الامرا میں کسی کا روزینہ تین روپے سے زیادہ نہیں دیکھا ہے، تاہم دو لاکھ روپے صرف ہو گئے، اس کتاب کا یہ خاص امتیازی وصف ہے کہ جو مسائل تمام کتب فقہ میں پیچیدہ الفاظ میں پائے جاتے تھے، ان کو اس قدر آسان کر کے لکھا ہے کہ ایک بچہ تک سمجھ سکتا ہے۔

---

[1] مآثر عالم گیری، ص ۵۲۹۔

تعلیم دینیات فقہ اور حدیث کی تعلیم کو نہایت رواج دیا، ایک ایک قصبہ میں مذہبی علما علوم مذہبی کی درس وتدریس میں مشغول تھے اور ان کو سرکار کی طرف سے وظیفے ملتے تھے۔

خود بھی اوامر ونواہی کا نہایت پابند تھا، ہمیشہ باوضو رہتا تھا، ہمیشہ نماز جماعت سے پڑھتا تھا، ہفتہ میں تین دن کے روزے رکھتا تھا، عیش ونشاط کی مجلسوں میں کبھی شریک نہیں ہوا۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ باوجود اس دین داری اور مذہبی وارفتگی کے وہ ظاہر پرست اور سریع الاعتقاد نہ تھا، اس کی دین داری دیکھ کر شریف مکہ نے کئی دفعہ اپنے سفیر بھیجے، اس پر عالم گیر ایک رقعہ میں لکھتا ہے:

> ''شریف مکہ در ہندوستان دولت بے شمار شنیدہ ہر سال برائے طلب نفع خود ایلچی می فرستد، ایں مبلغاں کہ مے فرستیم برائے مستحقین ست بجہت او فکرے بجا باید نمود کہ بہ آں جماعت برسد و دست ایں متلف حق بر آں نرسد یعنی شریف مکہ۔''

---

[۱] مآثر عالم گیری، ص ۵۲۵۔

ذاتی اوصاف

شجاعت اور بہادری تیمور کے خون میں سب سے پہلے شجاعت کی گرمی کا اثر ڈھونڈنا چاہیے، عالم گیر اس وراثت کا سب سے بڑا حصہ دار ہے، تیمور کی نسل بابر سے شاہ جہاں تک شجاعت اور بہادری کا مرقع ہے، جس میں ایک دوسرے سے ممتاز نظر نہیں آسکتا، اکبر مست ہاتھیوں کو عین لڑنے کی حالت میں سونڈ پکڑ کر پیچھے ہٹا دیتا تھا، شاہ جہاں نے شہزادگی میں تلوار سے شیر مارا ہے لیکن عالم گیر کی شجاعت کی خط و خال اس موقع میں بھی نمایاں تر ہیں، وہ جب چودہ برس کا تھا تو ایک موقع پر جب شاہ جہاں ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا، ایک ہاتھی فوج کی طرف ٹوٹ پڑا اور مطلع صاف تھا لیکن عالم گیر پہاڑ کی طرح اپنی جگہ سے نہ ہلا اور ہاتھی سے معرکہ آرا ہوا، ہاتھی نے اس کے گھوڑے کو سونڈ میں پکڑ کر دور پھینک دیا، عالم گیر لوٹ پوٹ کو اٹھا اور بڑھ کر ہاتھی پر تلوار ماری، اس معرکہ کو تمام مؤرخین نے تفصیل سے لکھا ہے، ابو طالب کلیم ملک الشعرائے شاہ جہاں بھی اس موقع پر موجود تھا، اس نے اس واقعہ کو نظم کر دیا ہے، چنانچہ چند اشعار ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں:

به مهمانی گوش ارباب هوش — یکے قصه دارم بمن دار گوش
ز مردم من ایں نقل نشنیده ام — من از دل شنیدم دل از دیده ام
چو آراید ایں قصه هنگامه را — شمارند افسانه شهنامه را
صباحے شهنشاه گیتی فروز — شه معدلت گستر ظلم سوز

به گردش در آمد چو خور در سپهر — از و شد جهان غرق انوار مهر
خلائق چو بعد از زمیں بوس شاه — گرفتند در خورد خود جائے گاه
به فیلان جنگی چوں نوبت رسید — در آں عرصه آمد قیامت پدید
فتادند فیلاں جنگی بهم — پے جنگ خرطومها شد علم
دو دید از قضا زاں دو فیل مهیب — یکے سوئے شہزاده اورنگ زیب
به مردی ز جا یک سر مو نه شد — ز راه چنیں سیل یک سو نه شد
یکے برجه ای برق سان تافته — نظر از رگ غیرتش یافته
ز قدرت چناں زد به پیشانیش — که جست از قضا برق رخشانیش
دراں کوه پیکر نہاں شد سنان — گر باره در رفت آہن به کان
ز خرطوم انداخت پیچاں کمند — فتاد اسپ شہزاده در شہر بند
گرفت اسپ شہزاده بروئے سوار — ز بیم آب شد زہره روزگار
بیفشاند بر اسپ دندان کیں — برآمد خروش از زمان و زمیں
چو در اسپ ساماں جولاں ندید — چو شہبازے از خانه زیں پرید
ہماندم که بر اسپ پارا فشرد — رواں دست جرات به شمشیر برد
علم کرد شمشیر و بروئے درید — کزاں سوئے فیل غلیمش دوید
چو نبود پسندیده پر دلاں — که گیرد یکے را دو تن درمیاں
زروئے مروت ازآں دوست داشت — به پیکار فیل غلیمش گذاشت

شاہ جہاں یہ ردوبدل خود دیکھ رہا تھا، ہاتھی ہٹا تو عالم گیر کو بلا کر سینہ سے لپٹا لیا اور اس پر موتی اور روپے نچھاور کیے۔

داراشکوہ کی جنگ میں وہ پچیس تیس ہزار سے ایک لاکھ سوار اور بیس ہزار پیدل فوج کے مقابلہ میں معرکہ آرا ہوا ہے اور جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو اس کے ساتھ

صرف ایک ہزار آدمی رہ گئے تھے، اس وقت اس نے جوشجاعت ظاہر کی ہے، اس کولین پول ان الفاظ میں لکھتا ہے:

''جنگ کی یہ نازک حالت ہوگئی تھی اور قریب تھا کہ اورنگ زیب کو ہزیمت ہو کیوں کہ اس کے چیدہ سے چیدہ رسالے پسپا ہو چکے تھے اور وہ تنہا کھڑا ہوا تھا اور مشکل سے ایک ہزار آدمی اس کے گرد ہوں گے اور ان کو بھی دارا کے حملوں کا انتظار تھا، اس سے زیادہ مستقل رستمانہ شجاعت کی کبھی جانچ نہ ہوئی ہوگی لیکن اورنگ زیب کے بدن میں بجائے پٹھوں کے فولاد کے تار تھے، صرف اورنگ زیب کی شجاعت تھی جس نے ایک ہزار کو ایک لاکھ پر فتح دی۔''

عالم گیر کی اس جرأت انگیز شجاعت اور تعجب خیز عزم وثبات کو بڑھاپا، کم زوری، مصائب سفر، تواتر حوادث کوئی چیز کم نہ کرسکی، ۱۱۱۰ھ مطابق ۱۶۹۹ء میں جب بمقام ستارا مرہٹوں نے ایک سرنگ اڑائی اور فوج میں بربادی پھیلی تو یہ بیاسی برس کا بوڑھا شہنشاہ جھٹ گھوڑے پر چڑھ کر مقام حادثہ پر پہنچا، آدمیوں کی لاشوں کا ڈھیر لگوایا اور چاہتا تھا کہ حملہ کی سرداری خود کرے لیکن بڑی دقت سے اس کو اس ارادے سے باز رکھا گیا، اب بھی وہ وہی ساماگڑھ کا جوان تھا، جس نے اپنے ہاتھی کے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوادی تھیں۔

یہ لین پول کے الفاظ ہیں، خافی خاں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھتا ہے:

''چوں دانستند کہ مبارزان قلعہ کشا حوصلہ باختہ اند خود بدولت براسپ ......سوار شدہ......برسرکار آمدہ فرمودند کہ لاش مردہ ہارا بالائے ہم فراہم آوردہ سینہارا سپر تیر بلا ساختہ ......قدم یورش پیش گزارند چوں در مردم اثر حرف شنیدن مشاہدہ نمودن خواستند خود بذات شریف......پیش قدم بہادران جان نثار گردند، ارکان سلطنت بہ الحاح وتضرع ازیں جرأت مانع آمدند[1]''

---

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۴۶۵-۴۶۷۔

یہ وقت تھا کہ ہزاروں آدمی سرنگ کے اڑنے سے برباد ہو گئے تھے اور فوج نے حملہ کرنے سے بالکل انکار کر دیا تھا۔

عالم گیر کے عزم و ثبات کی تصویریں سیکڑوں موقعوں پر مل سکتی ہیں، جن میں ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ شہزادگی کے زمانہ میں بلخ کی مہم پر گیا تھا اور عبدالعزیز خاں سے معرکہ آرا تھا تو عین حالت جنگ میں نماز ظہر کا وقت آ گیا، دشمن کی فوجیں چاروں طرف سے تیر برسا رہی تھیں، یہ استقلال کا دیوتا گھوڑے سے بہ کمال متانت اترا، نماز کی صف قائم کی، سکون و اطمینان کے ساتھ فرائض اور نوافل ادا کیے، عبدالعزیز خاں یہ حیرت انگیز سماں دیکھ کر لڑائی سے ہٹ گیا کہ ایسے شخص سے لڑنا تقدیر سے لڑنا ہے[1]۔

الفنسٹن صاحب کی زبان سے عالم گیر کی تعریف میں ایک لفظ بھی نکلنا عالم گیر کی قسمت کی یاوری ہے، تاہم صاحب موصوف نے عالم گیر کے استقلال کا ایک جدا عنوان قائم کیا ہے، جن میں تفصیل سے واقعات لکھے ہیں اور ان پر سخت حیرت ظاہر کی، ہم طول کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں، فوج کے سب سے دلاور سپاہی بارہہ کے سادات گنے جاتے تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ تیموریوں کے اکثر معرکے انہیں کے سر کیے ہیں، ایک موقع پر ان سب لوگوں نے درباریوں سے خانہ جنگی کی، عالم گیر نے حکم دیا کہ قاضی کے محکمہ میں مقدمہ پیش ہو، سادات نے کہا، ہم اپنا فیصلہ خود کریں گے، عالم گیر نے آستین چڑھا کر کہا کہ جو لوگ میری تلوار کا مزہ چکھ چکے ہیں، وہ شریعت کے حکم کے مقابلہ میں ایسے الفاظ منہ سے نکالتے ہیں، کہہ دو سب مل کر آئیں، یہ کہہ کر حکم دیا کہ پہرے وغیرہ پر جس قدر سادات بارہ ہیں سب برطرف کر دیے جائیں، سادات کا وہ تمام غرور جاتا رہا۔

شہزادہ اکبر نے جب بغاوت کی ہے اور ستر ہزار راج پوتوں کو لے کر قریب آ گیا تو عالم گیر کے ساتھ صرف ایک ہزار فوج تھی، باقی فوجیں نہایت دور دراز مقامات پر تھیں لیکن

---

[1] مآثر عالم گیری، ص ۱۳۵۔

عالم گیر کی جبین استقلال پر شکن تک نہ پڑی اور بالآخر شہزادہ خود پسپا ہو کر چلا گیا۔

شہزادہ اعظم شاہ جس کی دلیری اور بہادری کا سکہ تمام ملک میں بیٹھا ہوا تھا، اس کے ساتھ جو معاملہ گزرا، عام طور پر مشہور ہے، جس کا یہ اثر تھا کہ اس کے بعد جب عالم گیر کا خط آتا تھا تو شہزادہ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا، اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

عالم گیر تیغ و قلم دونوں کا مالک تھا، اس کی انشا پردازی کی داد مخالفوں تک نے دی ہے، اس کے رقعے باوجود اس کے کہ واقعات کا ذخیرہ، قصہ طلب حوالوں کا مجموعہ، جغرافیانہ اطلاعوں کی یادداشت ہیں، تاہم ادائے مطلب کی قدرت، عبارت کی سادگی، فقروں کی ہمواری، مطالب کا اختصار، پہلو بہ پہلو جملے، دل نشین ترکیبیں نہایت حیرت انگیز ہیں، یہاں تک کہ اردو کے سب سے بڑے انشا پرداز مولوی محمد حسین آزاد کو بھی بادل ناخواستہ تعریفی جملے لکھنے پڑے[1]۔

---

[1] مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''عالم گیر نے دل معتدل اور زبان قادر البیان پائی تھی، اس لیے اپنے فرمان اور خطوط آپ لکھتا تھا یا سامنے لکھواتا تھا، کاغذات پر خود حکم چڑھاتا تھا، وہ پچاس برس سلطنت کر کے ۱۱۱۸ھ میں فوت ہوا، اس کی تحریریں دیکھ کر تعجب آتا ہے کہ جس طرح اورنگ سلطنت زیر قدم رکھتا تھا اسی طرح کشورِ سخن بھی زیر قلم دیکھو، اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے ملک رانی کے پیچوں میں الجھے ہوئے ہیں مگر عبارت صاف ہے اور لفظ لفظ میں محاورے کا نمک دیا ہوا ہے، تمام انتظامی ہدایتیں اور اکثر اخلاقی نصیحتیں ہیں کہ تاثیر میں ڈوبی ہوئی ہیں، اس کی تحریر کو گلستاں سے تشبیہ دوں تو مضائقہ نہیں، اتنا فرق ہوگا کہ گلستاں کے خیالی مضامین ہیں اور اس کے حالی، عبارت اس کی جتنی پڑھنے میں سہل ہے،، اتنی ہی لکھنے میں دشوار ہے۔ (محمد حسین آزاد، سخندانِ فارس، حصہ دوم، ص ۹۱، مطبوعہ اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۷۹ء)

عالم گیر کے رقعات سے انشا پردازی کے علاوہ اس کی وسعت معلومات، مسائل دینیہ کی اطلاع، عام باخبری، خوش مذاقی اور حسن انتخاب کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عالم گیر کے عام اخلاق وعادات یہ تھے کہ نہایت سنجیدہ اور متین تھا، کبھی نامناسب لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا تھا، نہایت رحیم اور وسیع الظرف تھا، اہل کمال کا نہایت قدردان تھا، لوگوں سے نہایت اخلاق سے پیش آتا تھا، نہایت خشک زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا، لہو ولعب کی باتوں سے قطعاً محترز تھا۔

تم کو حیرت ہوگی کہ ان کمالات کا شخص اس قدر کام یاب کیوں نہ ہوا، جس قدر ہونا چاہیے تھا، اس کی چند وجہیں ہیں:

۱-اس کی اولاد لائق نہ ہوئی، اس کا جانشین بہادر شاہ دوپہر چڑھے دن کو سو کر اٹھتا تھا، اس سے اس کے اور اوصاف کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

۲-باوجود ان تمام خوبیوں کے عالم گیر میں یہ بڑا عیب تھا کہ وہ اپنی ذاتی شجاعت اور استقلال کی وجہ سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا اور اسی وجہ سے کسی کو وہ اپنا دوست نہیں بنا سکا۔

۳-مرہٹوں کے تعاقب میں اس نے زائد از ضرورت اپنی کوشش صرف کی۔

۴-مزاج میں سخت کفایت شعاری تھی، یہ وصف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جانشین کے لیے گو موزوں ہے لیکن شاہ جہاں کے تخت پر بیٹھنے کے لیے کام نہیں آسکتا تھا۔

غرض عالم گیر کی جو تصویر اس کے مخالفوں نے کھینچی ہے، اس میں تو تمام تر تعصب اور عداوت کا رنگ بھرا گیا ہے لیکن یہ کہنا بھی بالکل مبالغہ ہے کہ وہ انسانی کم زوریوں سے پاک تھا، باوجود ان تمام خوبیوں کے، جو اس میں تھیں، ہم تیموری سلاطین کی فہرست میں وہی درجہ اس کو دے سکتے ہیں جو اسے ترتیب شمار کی رو سے حاصل تھا، تاہم عام اسلامی دنیا میں اس کے بعد آج تک کوئی اس کے برابر کا شخص بھی نہیں پیدا ہوا۔

(اشاریہ وکتابیات)

اورنگ زیب عالم گیر

پر

ایک نظر

مرتبہ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، پوسٹ بکس نمبر ۱۹، اعظم گڑھ، (یو، پی) انڈیا

اشخاص

کتب و رسائل

کتب سماوی

مقامات

(الف)

(ب)

قلعے

دریا

تعلیمی واشاعتی ادارے

اقوام وملل

مراجع

۱۔ اورنگ زیب: از لین پول (اردو ترجمہ) مطبوعہ علی گڑھ۔

۲۔ بادشاہ نامہ: از عبدالحمید لاہوری، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۸۶۸ء۔

۳۔ تاریخ فرشتہ: از محمد قاسم فرشتہ، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ، ۱۳۲۱ھ۔

۴۔ تاریخ ہندوستان: از الفنسٹن (اردو ترجمہ) مطبوعہ علی گڑھ۔

۵۔ تزک جہاں گیری: از جہاں گیر، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ۔

۶۔ خزانۂ عامرہ: از غلام علی آزادی بلگرامی، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ۔

۷۔ سفر نامہ برنیر: از ڈاکٹر برنیر (اردو ترجمہ) مطبع مفید عام، آگرہ، ۱۳۲۱ھ۔

۸۔ سیر المتاخرین: از منشی غلام حسین طباطبائی، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ، ۱۳۱۴ھ۔

۹۔ عالم گیر نامہ: از منشی کاظم شیرازی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۸۶۸ء۔

۱۰۔ فیاض القوانین: از ملا فیاض (قلمی)۔

۱۱۔ مآثر الامرا: از شاہ نواز خاں، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۸۸۸ء۔

۱۲۔ مآثر عالم گیری: از مستعد خاں ساقی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۸۷۱ء۔

۱۳۔ مرأۃ الخیال: از شیر خاں لودی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۲۴۶ھ۔

۱۴۔ منتخب اللباب: از محمد ہاشم خاں معروف بہ خافی خاں، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۸۶۹ء/۱۸۷۲ء۔

۱۵۔ واقعات عالم گیری: از عاقل خاں رازی، ہسٹاریکل انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ۔

Aurang Zeb Alamgir Per Ek Nazar

by

ALLAMA SHIBLI NOMANI

Darul Musannefin Shibli Academy
Azamgarh (U.P.) INDIA

ISBN - 978-93-80104-15-7